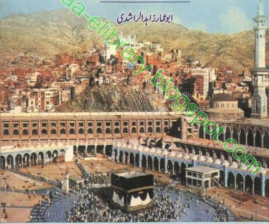
خطبۂ حجۃ الوداع

اسلامی تعلیمات کا عالمی منشور

ابوعمار زاہد الراشدی



الشریعہ اکادمی

خطبہ حجۃ الوداع

اسلامی تعلیمات کا عالمی منشور

ابو عمار زاہد الراشدی

الشریعہ اکادمی

(سلسلہ مطبوعات: ۱۱)

کتاب: خطبہ حجۃ الوداع: اسلامی تعلیمات کا عالمی منشور

مقرر: ابوعمار زاہد الراشدی

مرتب: ناصر الدین خان عامر

ناشر: الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ

فون: 055-4271741 / 4000394

aknasir2003@yahoo.com

اشاعت اول: اکتوبر ۲۰۰۷

قیمت: ۶۰ روپے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ تبارک وتعالیٰ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی سالانہ تعطیلات میں امریکہ جانے کا موقع ملتا ہے تو دارالہدیٰ سپرنگ فیلڈ ورجینیا (واشنگٹن) میں حاضری ہو جاتی ہے اور میرا زیادہ تر قیام وہیں رہتا ہے۔ دارالہدیٰ کے سربراہ مولانا عبدالحمید اصغر حضرت مولانا حافظ غلام حبیب نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء میں سے ہیں اور باذوق بزرگ ہیں۔ میری حاضری پر حدیث نبویؐ کے کسی موضوع پر مسلسل لیکچرز کا پروگرام بنا لیتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ دارالہدیٰ کے نمازیوں کا ذوق وشوق دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔

ایک سال جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالے سے مختلف عنوانات پر گفتگو ہوئی، ایک سال سنن ابن ماجہؒ کی کتاب السنۃ کا درس کئی روز تک چلتا رہا، دوسرے سال مسلم شریف کی کتاب الفتن کا درس ہوا، تیسرے سال بخاری شریف کی ثلاثیات کے درس کی فرمائش پوری کی گئی۔ اور اس سال مشورہ ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے حوالہ سے گفتگو ہو۔ چنانچہ ۳ ستمبر سے ۷ ستمبر ۲۰۰۰ء تک مسلسل پانچ روز تک خطبہ حجۃ الوداع کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوتی رہی جو روزانہ نماز مغرب کے بعد ہوتی تھی اور کم وبیش ایک گھنٹہ جاری رہتی تھی۔ باذوق احباب کی خاصی تعداد اس میں شریک رہی۔

میرے چھوٹے بیٹے ناصر الدین عامر سلمہ نے جو گزشتہ چند سالوں سے امریکہ میں قیام پذیر ہے، اس گفتگو کو آڈیو ریکارڈنگ کی مدد سے تحریر کر لیا، جس پر اسی کی تحریک سے یہ ارادہ ہوا کہ ان لیکچرز کو خطبہ حجۃ الوداع کے مبین متن کے ساتھ ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ اس وقت زوار اکیڈمی پبلی

کیشنز کراچی کے جریدہ ششماہی "السیرۃ" عالمی کے مئی ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں شائع ہونے والے خطبہ حجۃ الوداع کا متن میرے سامنے تھا جو کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامی تاریخ کے سابق صدر پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد نے بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اسی دوران دار الہدیٰ کی لائبریری میں علامہ اقبال انشورنس فاؤنڈیشن کراچی کا شائع کردہ ایک کتابچہ نظر سے گزرا جس میں خطبہ حجۃ الوداع کا متن اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، وہ بھی میں نے سامنے رکھ لیا جبکہ عزیزم عامر خان سلمہ نے تجویز دی کہ حدیث اور سیرت کی دیگر موجود کتابوں کو بھی دیکھ لیا جائے تاکہ اس حوالہ سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ سے زیادہ ارشادات کو جمع کیا جا سکے۔ چنانچہ دار الہدیٰ کی لائبریری میں موجود کتابوں پر ایک نظر ڈالی اور انٹرنیٹ پر موجود صحاح ستہ اور تاریخ کی چند کتابیں بھی دیکھیں اور "خطبہ حجۃ الوداع" کے حوالے سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا ایک مجموعہ مرتب کر لیا۔

گوجرانوالہ واپسی پر یہ مسودہ میں نے اپنے بڑے بیٹے حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ کے سپرد کیا تو اس نے محنت کر کے اس پر مزید اچھے خاصے مواد کا اضافہ کر دیا، اس کی تخریج کی اور اسے از سر نو مرتب کر کے زیادہ جامع اور مفید شکل دے دی ہے اگرچہ اب بھی مکمل تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن "خطبہ حجۃ الوداع" کے اب تک شائع ہونے والے متون اور مجموعوں میں میری معلومات کی حد تک بحمد اللہ تعالیٰ یہ زیادہ جامع اور باحوالہ ہے۔ اس طرح اس کتابچہ میں پیش کیا جانے والا متن عزیزم حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ کا مرتب کردہ ہے، اس کے مختلف پہلوؤں پر دار الہدیٰ اسپرنگ فیلڈ (ورجینیا) کے پانچ روزہ پروگرام میں پیش کی جانے والی معروضات میری ہیں اور انہیں ضبط تحریر میں لانے اور اس کی اشاعت کے لیے تحریک کرنے کی خدمت میرے چھوٹے بیٹے حافظ ناصر الدین خان عامر سلمہ نے سرانجام دی ہے۔ ہم تینوں اسے اپنے لیے سعادت دارین کا باعث سمجھتے ہوئے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ہماری اس چھوٹی سی خدمت کو قبول کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے نافع بنائیں اور ہم سب کو اس کی برکات و ثمرات سے دونوں جہانوں میں بہرہ ور فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی

۱۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء

خطبہ حجۃ الوداع کی روایات

انتخاب، تخریج و ترجمہ:

محمد عمار خان ناصر

خطبہ حجۃ الوداع کی روایات

[نوٹ: روایات کا انتخاب اور تخریج درج ذیل دو سی ڈیز کی مدد سے کی گئی ہے:
۱۔ موسوعۃ الحدیث الشریف (الکتب التسعۃ) شرکۃ البرامج الاسلامیۃ الدولیۃ، الاصدار الثانی
۲۔ المکتبۃ الالفیۃ للسنۃ النبویۃ، مرکز التراث لابحاث الحاسب الآلی، الاصدار 1.5]

یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) سے متعلق روایات

☆ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: غدا رسول الله صلى الله عليه وسلم من منى حين صلى الصبح صبيحة يوم عرفة حتى اتى عرفة فنزل بنمرة وهى منزل الامام الذى ينزل به بعرفة حتى اذا كان عند صلاة الظهر راح رسول الله صلى الله عليه وسلم مهجرا فجمع بين الظهر والعصر ثم خطب الناس۔

(ابوداؤد، رقم ۱۶۳۳)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کو صبح کی نماز ادا کر لی تو آپ منیٰ سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ میدان عرفات میں پہنچ گئے۔ آپ نے نمرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا جو عرفہ میں امام کے قیام کرنے کی جگہ ہے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ذرا جلدی روانہ ہوئے، ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا کی اور پھر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔''

☆ عجیط بن شریط رضی اللہ عنہ: رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب على جمل احمر بعرفة قبل الصلاة۔ (نسائی، ۲۹۵۷)

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفہ میں نماز سے قبل ایک سرخ اونٹ پر سوار خطبہ دے رہے تھے۔"

☆ خالد بن العداء بن ہوذۃ رضی اللہ عنہ: رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس یوم عرفة علی بعیر قائم فی الرکابین۔ (ابوداود، ۱۹۳۸)

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ یوم عرفہ کو ایک اونٹ پر اس کی دونوں رکابوں میں پاؤں جما کر کھڑے تھے اور خطبہ دے رہے تھے۔"

☆ عروۃ بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ: قال کان ربیعة بن امیة بن خلف الجمحی هو الذی یصرخ یوم عرفة تحت لبة ناقة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اصرخ و کان صیتا۔ (المعجم الکبیر، ۴۲۰۳)

"ہم عرفہ کو ربیعہ بن امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے سینے کے نیچے کھڑے (آپ کے کلمات کو) بلند آواز سے دہرا رہے تھے۔ ان کی آواز بہت بلند تھی اور آپ نے ان سے کہا تھا کہ اونچی آواز سے (یہ کلمات) کہو (جو میں کہہ رہا ہوں)"۔

☆ یقول له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قل یا ایها الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول ...... (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱۰/۶)

"آپ ربیعہ سے کہتے کہو: اے لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ...."۔

[ابن عباس (المعجم الکبیر، ۱۱۳۹۹۔ صحیح ابن خزیمہ، ۲۹۲۷)]

☆ محمد بن قیس بن مخرمة: خطب یوم عرفة فقال هذا یوم الحج الاکبر۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹۳۰۴)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز وہ خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔"

[مرۃ الطیب عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مسند احمد، ۱۵۳۲۲)]

۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد بن اسید: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
م عرفة: الیوم الذی یعرف الناس فیه۔

(بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹۶۰۹۔ سنن الدار قطنی ۲/۲۲۳)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن فرمایا کہ آج وہ دن ہے جس میں لوگ عرفات میں ٹھہریں گے۔''

۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو
عرفة يقرأ هذه الآية شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولو العلم قائما
قسط لا اله الا هو العزيز الحكيم وانا على ذلك من الشاهدين۔

(مسند احمد، ۱۴۳۷)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفہ میں یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولو العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم (اللہ بھی گواہی دیتا ہے اور فرشتے اور اہل علم بھی کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ غالب اور حکمت والا ہے) رسول اللہ نے فرمایا کہ میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔''

۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب
رفات فلما قال لبيك اللهم لبيك قال انما الخير خير الآخرة۔

(بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸۸۱۶)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں خطبہ دیا۔ جب آپ 'لبيك اللهم لبيك' کہہ چکے تو فرمایا کہ اصل بھلائی تو آخرت ہی کی بھلائی ہے۔''

۶ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: يا ايها الناس خذوا مناسككم فانى لا
رى لعلى غير حاج بعد عامي هذا۔ (طبرانی، المعجم الاوسط، ۱۹۳۹)

''اے لوگو! حج کے مناسک سیکھ لو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد مجھے حج کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔''

☆ مسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ: [خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعر فحمد الله واثنى عليه ثم قال اما بعد] ان اهل الجاهلية كانوا يدفعون م عرفة حين تكون الشمس كانها عمائم الرجال في وجوههم قبل أ تغرب ومن المزدلفة بعد ان تطلع الشمس حين تكون كانها عما الرجال في وجوههم وانا لا ندفع من عرفة حتى تغرب الشمس وندفع م المزدلفة قبل ان تطلع الشمس هدينا مخالف لهدى اهل الاوثان والشرك (مسند الشافعی، ۳۶۹/۱، بیہقی، السنن الکبریٰ ۳۰۲،

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں میدان عرفات میں خطبہ دیا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اہل جاہلیت عرفہ سے سورج کے غروب ہونے سے قبل اس وقت روانہ ہو جاتے تھے جب سورج اس طرح نمایاں ہوتا جیسے مردوں (کے سروں پر ان) کی پگڑیاں ہوتی ہیں، اور مزدلفہ سے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اس وقت روانہ ہو جاتے تھے جب سورج طلوع ہو کر اس طرح نمایاں ہو چکا ہوتا جیسے مردوں (کے سروں پر ان) کی پگڑیاں ہوتی ہیں، لیکن ہم عرفہ سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک سورج غروب نہ ہو جائے، اور مزدلفہ سے سورج کے طلوع ہونے سے قبل روانہ ہو جائیں گے۔ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور اہل شرک کے طریقے کے خلاف ہے۔''

☆ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يو عرفة ايها الناس ان الله تطول عليكم في هذا اليوم فيغفر لكم الا التبعا في ما بينكم ووهب مسيئكم لمحسنكم واعطى محسنكم ما سا اندفعوا بسم الله۔ (مصنف عبدالرزاق، ۸۸۳۱)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن فرمایا کہ اے لوگو! آج کے دن اللہ تعالیٰ نے تم پر خاص

عنایت فرمائی ہے اور تمہارے گناہ بخش دیے ہیں، سوائے ان حق تلفیوں کے جو تم نے آپس میں ایک دوسرے کی کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تم میں سے خطاکاروں کو تم میں سے نیکوکاروں کے حوالے کردیا ہے اور نیکوکاروں نے جو مانگا ہے، وہ انہیں عطا کردیا ہے۔ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔"

٦ ام الحصین رضی اللہ عنہا: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفات یخطب ول غفر اللہ للمحلقین ثلاث مرار قالوا والمقصرین فقال والمقصرین فی ابعۃ۔ (مسند احمد ۴، ۲٦۰۰۰)

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے یہ دعا تین مرتبہ مانگی۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، بال کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کیجیے۔ آپ نے چوتھی مرتبہ کہا کہ یا اللہ، بال کتروانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔"

٦ ابن عباس رضی اللہ عنہ: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب بعرفات ن لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ومن لم یجد ازارا فلیلبس سراویل محرم۔ (بخاری، ۱۷۱۰)

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ حالت احرام میں جسے چپل نہ میسر ہوں، وہ موزے پہن لے اور جس کے پاس تہ بند نہ ہو، وہ کھلی ہوئی شلوار پہن سکتا ہے۔"

٦ ام الفضل رضی اللہ عنہا: انہم شکوا فی صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم رفۃ فارسلت الیہ بلبن فشرب وھو یخطب الناس بعرفۃ علی بعیرہ۔

(مسند احمد، ۲۵٦۴۷۔ مسند اسحاق بن راہویہ (۴۔۵) ۲٦۷۱)

"لوگوں کو عرفہ کے دن شک ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہیں یا نہیں، تو ام

الفضل نے آپ کے لیے دودھ بھیجا جسے آپ نے نوش فرمایا جبکہ آپ اپنے اونٹ پر سوار
میدان عرفات میں لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔"

☆ نبیشہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: نادى رجل وهو بمنى فقال يا رسول الل
كنا نعتر عتيرة في الجاهلية في رجب فما تامرنا يا رسول الله قال اذب
في اي شهر ما كان وبروا الله عزوجل واطعموا قال انا كنا نفرع فرعا
تامرنا قال في كل سائمة فرع تغذوه ماشيتك حتى اذا استحمل ذب
وتصدقت بلحمه۔ (نسائی، السنن الصغریٰ، ۴۱۵۶)

"ایک شخص نے منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور کہا یا رسول اللہ! ہم جاہلیت کے
زمانے میں رجب کے مہینے میں ایک جانور قربان کیا کرتے تھے، پس اب آپ ہمیں کیا حکم
دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس مہینے میں چاہو، قربانی کرو اور اللہ کے ساتھ وفاداری کا
اظہار کرو اور (قربانی کا گوشت) لوگوں کو کھلاؤ۔ اس نے کہا کہ ہم اونٹنی کے پہلے بچے کو بھی
ذبح کیا کرتے تھے، تو اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (صرف اونٹنی میں
نہیں، بلکہ) ہر چرنے والے جانور کے پہلے بچے کو (اللہ کے نام پر) ذبح کرنا درست ہے،
(لیکن اسے پیدا ہوتے ہی ذبح نہ کرو، بلکہ) تمہارے مواشی اس کو دودھ پلائیں، یہاں تک
کہ جب وہ سواری کے قابل ہو جائے تو تم اسے ذبح کرو اور اس کا گوشت صدقہ کر دو۔"

☆ زید بن اسلم عن رجل عن ابیہ او عمہ: شهدت النبي صلى الله عليه وسلم بـ
وسئل عن العقيقة فقال لا احب العقوق ومن ولد له ولد واحب ان ينس
عنه فلينسك وسئل عن العتيرة فقال حق وسئل عن الفرع فقال حق ولـ
هو ان تذبحه غراة من الغراء ولكن تمكنه من مالك حتى اذا كان بن لب
او بن مخاض زخربا يعني ذبحته وذلك خير من ان تكفا اناءك و
ناقتك وتذبحه يختلط لحمه بشعره۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۹۱۳۵)

"میں میدان عرفات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا۔ آپ سے عقیقہ کے بارے

میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں 'عقوق' کو پسند نہیں کرتا۔ جس کے ہاں بچے کی
ولادت ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ آپ سے عتیرہ (رجب
میں کی جانے والی قربانی) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ درست ہے۔ آپ سے فرع
(یعنی اونٹنی کے پہلے بچے کو ذبح کرنے) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ بھی درست
ہے، لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں کہ تم اسے (پیدا ہوتے ہی) ذبح کر دو جبکہ اس کی ماں کا دل اس
کے ساتھ بندھا ہوا ہے، بلکہ تم اسے اپنے مال میں سے کھلاؤ پلاؤ یہاں تک کہ جب وہ ایک سال
یا دو سال کا ہو جائے اور خوب پل جائے تو پھر اسے ذبح کرو۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے برتن
کو اُلٹ دو، اپنی اونٹنی کو (بچے کی جدائی کے غم میں) باؤلا کر دو اور بچے کو اس طرح ذبح کرو کہ
اس کا گوشت اور اس کے بال آپس میں چپکے ہوئے ہوں۔"

☆ حارث بن عمرو رضی اللہ عنہما: انه لقى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى
حجة الوداع وهو على ناقته العضباء [وهو بمنى او بعرفات ويجئ
الاعراب فاذا راوا وجهه قالوا هذا وجه مبارك] [وكان الحارث رجلا
جسيما فنزل اليه الحارث فدنا منه حتى حاذى وجهه بركبة رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاهوى نبى الله صلى الله عليه وسلم يمسح وجه
الحارث فما زال نضرة على وجه الحارث حتى هلك] فاتيته من احد شقيه
فقلت يا رسول الله بابى انت وامى استغفر لى فقال غفر الله لكم ثم اتيته
من الشق الآخر ارجو ان يخصنى دونهم فقلت يا رسول الله استغفر لى
فقال بيده غفر الله لكم [فذهب يبزق فقال بيده فاخذ بها بزاقه فمسح به
نعله كره ان يصيب احدا ممن حوله] فقال رجل من الناس يا رسول الله
العتائر والفرائع قال من شاء عتر ومن شاء لم يعتر ومن شاء فرع ومن شاء
لم يفرع، فى الغنم اضحيتها وقبض اصابعه الا واحدة [وفى رواية: وقال
باصبع كفه اليمنى فقبضها كانه يعقد عشرة ثم عطف الابهام على مفصل

الاصبع الوسطی ومد اصبعه السبابة وعطف طرفها یسرا یسرا]۔

(نسائی، ۴۱۵۴۔ مسند احمد، ۱۵۴۰۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳۳۵۱، ۳۳۵۲۔ ابن ابی عاصم، الآحاد والمثانی، ۱۲۵۷)

''حجۃ الوداع کے موقع پر حارث بن عمرو کی ملاقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور آپ اپنی اونٹنی عضباء پر سوار تھے۔ آپ منیٰ یا عرفات میں تھے اور بدو لوگ آتے اور جب آپ کا چہرہ دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو بہت مبارک چہرہ ہے۔ حارث بھاری جسم کے آدمی تھے، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے، یہاں تک کہ ان کا چہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے کے برابر آ گیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھک کر حارث کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کی برکت سے وفات تک حارث کے چہرے پر تروتازگی قائم رہی۔ حارث کہتے ہیں کہ میں ایک طرف سے آپ کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تم سب کی مغفرت کرے۔ پھر میں اس امید پر دوسری طرف سے آیا کہ آپ خاص طور پر میرے لیے دعا کریں۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تم سب کی مغفرت کرے۔ آپ نے تھوک پھینکنا چاہی تو اس خدشے سے کہ اردگرد موجود لوگوں میں سے کسی پر جا پڑے گی، آپ نے اپنے ہاتھ میں تھوک پھینک کر اسے اپنے جوتوں کے ساتھ صاف کر دیا۔ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ، عتیرہ اور فرع کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جو چاہے، عتیرہ کی قربانی کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اور جو چاہے، اونٹنی کے پہلے بچے کو قربان کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ بکریوں میں بس ایک (عیدالاضحی) کی قربانی ہی لازم ہے۔ آپ نے ایک انگلی کے علاوہ ہاتھ کی باقی انگلیاں بند کر لیں۔ [ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی کو یوں بند کر لیا جیسے دس کا عدد بتا رہے ہوں۔ پھر انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے جوڑ پر رکھ دیا اور شہادت کی انگلی کو کھڑا کر کے اس کے کنارے کو تھوڑا سا ٹیڑھا کر لیا۔]''

۱۴۔ حبیب بن مخنف رضی اللہ عنہ: انتهیت الی النبی صلی الله علیه وسلم یوم عرفة قال وهو یقول هل تعرفونها قال فما ادری ما رجعوا علیه قال فقال

النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی کل بیت ان یذبحوا شاۃ فی کل رجب وکل اضحی شاۃ (مسند احمد، ۱۹۸۰۴۔ مصنف عبدالرزاق ۸۱۵۹)

''میں عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ فرما رہے تھے کیا تم اس کو جانتے ہو؟ مجھے نہیں معلوم کہ لوگوں نے کیا جواب دیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اہل خانہ پر لازم ہے کہ وہ رجب کے مہینے میں ایک بکری ذبح کریں، اور ہر قربانی ایک بکری کی ہونی چاہیے۔''

☆ مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ: یا ایہا الناس علی کل اھل بیت فی کل عام اضحیہ وعتیرۃ ھل تدرون ما العتیرۃ ھی التی تسمونھا الرجبیۃ۔ (ترمذی، ۱۴۳۸)

''اے لوگو! ہر اہل خانہ پر ہر سال ایک قربانی اور ایک عتیرہ لازم ہے۔ (راوی کہتا ہے کہ) کیا تم جانتے ہو کہ عتیرہ کیا ہے؟ یہ وہی ہے جس کو تم رجب کی قربانی کہتے ہو۔''

☆ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عنھا یوم عرفۃ فقال ھی حق یعنی العتیرۃ۔ (المعجم الاوسط، ۹۲۳۰)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن عتیرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ حق ہے۔''

☆ حرملہ بن عمرو رضی اللہ عنہ: حججت حجۃ الوداع مردفی عمی سنان بن سنۃ قال فلما وقفنا بعرفات رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واضعا احدی اصبعیہ علی الاخری فقلت لعمی ماذا یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول ارموا الجمرۃ بمثل حصی الخذف۔ (مسند احمد، ۱۸۴۳۳)

''میں حجۃ الوداع میں شریک تھا اور میرے چچا سنان بن سنہ نے مجھے (سواری پر) اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ جب ہم عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا کہ آپ نے اپنی ایک انگلی دوسری انگلی پر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ جمرات پر اتنے چھوٹے کنکروں سے رمی کرو جو دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر پھینکے جا سکیں۔''

☆ عبدالرحمن بن معاذ التیمی رضی اللہ عنہ: نحن بمنی قال ففتحت اسماعنا حتی ان كنا لنسمع ما يقول ونحن فی منازلنا قال فطفق يعلمهم مناسكهم حتی بلغ الجمار فقال بحصی الخذف ووضع اصبعيه السباحتين احداهما علی الاخری۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۲/۱۸۵)

''ہم منیٰ میں تھے کہ ہماری شنوائی تیز ہو گئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ جو فرما رہے تھے، ہم اپنے اپنے ٹھکانوں میں بیٹھے اس کو سن رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حج کے مناسک کی تعلیم دینے لگے، یہاں تک کہ جب آپ جمرات تک پہنچے تو فرمایا کہ اتنے چھوٹے کنکروں سے رمی کرو جو دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر پھینکے جا سکیں۔ آپ نے (چھوٹے کنکر کا حجم بتانے کے لیے) اپنی دو انگلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا۔''

☆ حبشی بن جنادۃ السلولی رضی اللہ عنہ: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم فی حجة الوداع بعرفة واتاه اعرابی فاخذ بطرف رداءه فساله اياه فاعطاه فعند ذلك حرمت المسالة وقال رسول الله صلی الله عليه وسلم ان المسالة لا تحل لغنی ولا لذی مرة سوی الا لذی فقر مدقع او غرم مفظع ومن سال الناس ليثری ماله كان خموشا فی وجهه يوم القيامة ورضفا ياكله من جهنم فمن شاء فليقل ومن شاء فليكثر۔ (الآحاد والمثانی ۱۵۱۲)

''میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے آپ کی چادر کا کنارہ پکڑا اور آپ سے سوال کیا۔ آپ نے اس کو کچھ دے دیا۔ اس موقع پر سوال کرنا ممنوع قرار دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنا نہ کسی مال دار کے لیے حلال ہے اور نہ کسی تومند اور صحت مند شخص کے لیے۔ ہاں شدید غربت زدہ یا

قرض کے بھاری بوجھ تلے دبا ہوا شخص سوال کر سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرے گا، اس کا مانگنا قیامت کے دن اس کے چہرے پر زخموں کی صورت میں نمایاں ہوگا اور اسے جہنم کے گرم اور تپتے ہوئے پتھر کھانے پڑیں گے۔ پس جو چاہے کم سوال کرے اور جو چاہے زیادہ۔"

یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) سے متعلق روایات

☆ رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ: ونبي الله صلى الله عليه وسلم يخطب الناس على بغلة شهباء وعلي يعبر عنه يوم النحر حتى ارتفع الضحى بمنى۔
(نسائی، السنن الکبریٰ، ۴۰۹۴۔ الآحاد والمثانی، ۱۰۹۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹۴۰۰)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کو منیٰ میں ایک سفید خچر پر سوار لوگوں کو خطاب کر رہے تھے اور علی رضی اللہ عنہ آپ کی بات کو لوگوں تک پہنچا رہے تھے، یہاں تک کہ دن خوب چڑھ گیا۔"

☆ عم ابی حرۃ الرقاشی رضی اللہ عنہ: كنت آخذا بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم في اوسط ايام التشريق اذود عنه الناس۔ (مسند احمد، ۱۹۷۷۴)

"ایام التشریق کے وسط میں (یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل تھام رکھی تھی اور میں لوگوں کو آپ سے پرے ہٹا رہا تھا۔"

☆ ابو کاہل عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ: رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب على ناقة آخذ بخطامها عبد حبشي۔ (نسائی، السنن الکبریٰ، ۴۰۹۶)

"میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹنی پر سوار لوگوں کو خطبہ دے رہے ہیں اور اونٹنی کی نکیل ایک حبشی غلام نے پکڑ رکھی ہے۔"

☆ سلمۃ بن نبیط الاشجعی رضی اللہ عنہ: ان اباه قد ادرك النبي صلى الله عليه وسلم

وکان ردفا خلف ابیه فی حجة الوداع قال فقلت یا ابت ارنی النبی صلی الله علیه وسلم قال قم فخذ بواسطة الرحل قال فقمت فاخذت بواسطة الرحل فقال انظر الی صاحب الجمل الاحمر الذی یومی بیده فی یده القضیب۔ (مسند احمد، ۱۶۹۷۶)

"نبیط اشجعی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ حجۃ الوداع میں اپنے والد کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اے ابا جان، مجھے دکھائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟ والد نے کہا کہ اٹھ کر پالان کے اگلے حصے کو پکڑلو۔ پس میں اٹھا اور میں نے پالان کے اگلے حصے کو پکڑ لیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ اس شخص کو دیکھو جو سرخ اونٹ پر سوار ہے اور اس کے ہاتھ میں چھڑی پکڑی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ کے اشارے سے (گفتگو کر) رہا ہے۔"

☆ ام الحصین رضی اللہ عنہا: رمی جمرة العقبة ثم انصرف فوقف الناس وقد جعل ثوبه من تحت ابطه الایمن علی عاتقه الایسر قال فرایت تحت غضروفه الایمن کهیئة جمع [فانا انظر الی عضلة عضده ترتج]۔

(صحیح ابن حبان، ۳۵۶۳۔ ترمذی، ۱۶۲۸۰)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر رمی کی، پھر واپس آئے اور لوگوں کو روک لیا۔ آپ نے اپنی چادر اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ پس میں نے دیکھا کہ آپ کے دائیں (کندھے کی) نرم ہڈی کے نیچے مٹھی کی طرح (گوشت کا) ایک ابھار ہے، اور میں دیکھ رہی تھی کہ آپ کے بازو کے عضلات (حرکت کی وجہ سے) پھڑک رہے ہیں۔"

☆ ابو المعتمر الباہلی رضی اللہ عنہ: وهو علی ناقته الجدعاء قد ادخل رجلیه فی الغرز ووضع احدی یدیه علی مقدم الرحل والاخری علی موخره یتطاول بذلك۔ (المعجم الکبیر، ۶۷۶۷۔ مسند احمد، ۲۱۱۳۰)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی، جدعا پر سوار تھے، آپ نے دونوں پاؤں رکاب میں جما

رکھے تھے اور آپ کا ایک ہاتھ پالان کے اگلے حصے پر جبکہ دوسرا اس کے پچھلے حصے پر رکھا ہوا تھا۔ اس طرح آپ (اونچے ہوکر) لوگوں کو نمایاں دکھائی دینے کی کوشش کر رہے تھے۔"

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: لما کان فی حجۃ الوداع قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یومئذ مردف الفضل بن عباس علی جمل آدم۔

(مسند احمد، ۲۱۲۵۹۔ المعجم الکبیر، ۷۸۹۸)

"حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لیے) ایک گندمی رنگ کے اونٹ پر کھڑے ہوئے اور آپ کے پیچھے فضل بن عباس بیٹھے ہوئے تھے۔"

☆ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ فی حجۃ الوداع استنصت الناس۔ (بخاری، ۱۱۸، ۴۰۵۳)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جریر بن عبداللہ سے کہا کہ لوگوں کو چپ کراؤ۔"

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: قال یا ایھا الناس انصتوا فانکم لعلکم لا ترونی بعد عامکم ھذا۔ (المعجم الکبیر، ۷۶۷۶)

"آپ نے فرمایا کہ لوگو، خاموش ہو جاؤ، کیونکہ ہو سکتا ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔"

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: کان اول ما تفوہ بہ ان قال ان اللہ عزوجل یوصیکم بامھاتکم ثم حمد اللہ عزوجل ثم قال ما شاء اللہ ان یقول۔

(المعجم الکبیر، ۷۶۴۷)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی بات جو فرمائی، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے ہیں۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد جو ارشاد فرمانا چاہا، فرمایا۔"

☆ سلمۃ بن قیس الاشجعی رضی اللہ عنہ: الا انما ھن اربع ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا تزنوا ولا تسرقوا۔

(مسند احمد، ۱۸۲۲۰)

''آگاہ رہو! ان چار باتوں سے بچنا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، خدا کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا، زنا نہ کرنا اور چوری نہ کرنا۔''

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: ایھا الناس لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم وادوا زکاۃ اموالکم طیبۃ بھا انفسکم واطیعوا ولاۃ امرکم تدخلوا جنۃ ربکم۔

(مسند الشامیین، ۵۴۳۔ الآحاد والمثانی، ۹، ۲۷۷)

''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ پس اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، پوری خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ ایسا کرو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

[ابوقبیلہ (طبرانی، مسند الشامیین، ۳، ۱۱۷۔ ابوبکر الشیبانی، الآحاد والمثانی، ۹، ۲۷۷)]

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: الا لعلکم لا ترونی بعد عامکم ھذا الا لعلکم لا ترونی بعد عامکم ھذا الا لعلکم لا ترونی بعد عامکم ھذا فقام رجل طویل کانہ من رجال شنوءۃ فقال یا نبی اللہ فما الذی نفعل فقال اعبدوا ربکم [وفی روایۃ: اتقوا اللہ ربکم] وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم وحجوا بیتکم وادوا زکاۃ اموالکم طیبۃ بھا انفسکم [واطیعوا ذا امرکم] تدخلوا جنۃ ربکم عز وجل۔ (مسند احمد، ۲۱۲۳۰۔ ترمذی، ۵۵۹)

''سنو! ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔ سنو! ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔ سنو! ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔ ایک لمبے قد کا شخص، جو قبیلہ شنوءۃ کا

فرد لگا تھا، کھڑا ہوا اور اس نے کہا، اے اللہ کے نبی، پس ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: اپنے رب کی عبادت کرو (ایک روایت میں ہے کہ اپنے رب سے ڈرتے رہو)، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو اور خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ ایسا کرو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

۵۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

(بیہقی، شعب الایمان، ۵۱۳۷، ج ۴، ص ۲۸۹۔ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۳/۱۰۰۔ مسند احمد، ۲۲۳۹۱)

"لوگو! بے شک تمھارا رب بھی ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک۔ آگاہ رہو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ حدود کا پابند ہے۔"

۶۔ عداء بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ: ان اللہ عزوجل یقول یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی فضل ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوی۔

(المعجم الکبیر، ۱۸/۱۲، رقم ۱۶)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ یہ باہم تمھاری پہچان کا ذریعہ ہو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ حدود کا پابند ہے۔ اس لیے کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر اور کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔"

☆ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: الا كل شيء من امر الجاهلية تحت قد
موضوع ۔ (مسلم، ۲۱۳۷)

''آگاہ رہو! جاہلیت کا ہر کام میں اپنے ان دونوں قدموں کے نیچے دفن کر رہا ہوں۔''

☆ عم ابی حرۃ الرقاشی رضی اللہ عنہ: الا وان كل دم ومال ومأثرة كانت
الجاهلية تحت قدمى هذه الى يوم القيامة۔ (مسند احمد، ۱۹۷۷۴)

''آگاہ رہو! جاہلیت کے دور کا ہر خون، (سود کی قسم کا) ہر مال اور فخر ومباہات کی ہر بات قیامت
تک کے لیے میرے ان دو قدموں کے نیچے دفن کر دی گئی ہے۔''

☆ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ: الا وان كل دم كان في الجاهلية موضو
واول دم وضع من دماء الجاهلية دم الحارث بن عبد المطلب
مسترضعا في بني ليث فقتلته هذيل ۔ (ترمذی، ۳۰۱۲)

''آگاہ رہو! جاہلیت کے زمانے کا ہر خون معاف کیا جاتا ہے اور زمانہ جاہلیت کے خونوں میں
سے پہلا خون جس کو معاف کیا جاتا ہے، وہ حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ (راوی بتاتے
ہیں کہ) حارث کو دودھ پلانے کے لیے بنولیث کے ہاں بھیجا گیا تھا جہاں اسے بنو ہذیل نے
قتل کر دیا۔''

[جابر بن عبداللہ (مسلم، ۲۱۳۷) عم ابی حرۃ الرقاشی (مسند احمد، ۱۹۷۷۴) عبداللہ ابن عمر (
الرویانی، ۱۳۱۶)]

☆ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ: الا وان كل ربا في الجاهلية موضوع
لكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون غير ربا العباس بن عبد المط
فانه موضوع كله ۔ (ترمذی، ۳۰۱۲)

''آگاہ رہو! زمانہ جاہلیت کا ہر سود کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ تم صرف اپنے اصل مال کے حق دار
ہو۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ ہاں عباس بن عبدالمطلب کا لوگوں کے ذمے جو سود

قرض ہے، وہ سارے کا سارا معاف کیا جاتا ہے۔"

[جابر بن عبد اللہ (مسلم، ۲۱۳۷) عم ابی حرۃ الرقاشی (مسند احمد، ۱۹۷۷ے) ابن عمر (مسند الرویانی، ۱۴)]

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: ایہا الناس ان النسیء زیادۃ فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم الله فیحلوا ما حرم الله ویحرموا ما احل الله ان الزمان قد استدار فهو الیوم کهیئته یوم خلق الله السموات والارض وان عدۃ الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله یوم خلق السماوات والارض منها اربعة حرم رجب مضر بین جمادی وشعبان وذو القعدۃ وذو الحجة والمحرم وان النسیء زیادہ فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیوطئوا عدۃ ما حرم الله ـ (مسند عبد بن حمید، ۸۵۸)

"اے لوگو! حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا کفر میں مزید آگے بڑھنا ہے جس کے ذریعے سے اہل کفر (لوگوں کو) گمراہ کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی کو پورا رکھنے کے لیے ایک سال کسی مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال حرام، اور اس طرح اللہ کے حرام کردہ مہینے کو حلال اور اللہ کے حلال کردہ مہینے کو حرام کر دیتے ہیں۔ زمانہ آج پھر اسی ترتیب کے مطابق ہو چکا ہے جو اللہ نے زمین وآسمان کی تخلیق کے وقت مقرر کی تھی۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو اس دن سے اس کی کتاب میں درج ہے جب اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ ایک رجب کا مہینہ جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان آتا ہے، اور ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ حرام مہینوں کی ترتیب کو آگے پیچھے کرنا کفر میں مزید آگے بڑھنا ہے جس کے ذریعے سے اہل کفر (لوگوں کو) گمراہ کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی کو پورا رکھنے کے لیے ایک سال کسی مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال حرام۔"

☆ عم ابی حرۃ الرقاشی رضی اللہ عنہ: الا وان الزمان قد استدار کهیئته یوم خلق السموات والارض ثم قرا ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسكم ۔ (مسند احمد ۱۹۷۷۴)

[ابوبکرہ (بخاری ۴۰۵۴) ابو ہریرہ (تفسیر الطبری ۱۲۵/۱۰۔ بزار، مجمع الزوائد ۲۶۸/۳) ابن ہشام السیرۃ النبویۃ ۹/۶]

''آگاہ رہو! زمانہ آج پھر اسی ترتیب پر واپس آچکا ہے جو اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت مقرر کی تھی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: 'ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسكم'۔ (اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو اس دن سے اس کی کتاب میں درج ہے جب اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہی صحیح اور راست دین ہے۔ اس لیے ان مہینوں میں (حدود سے تجاوز کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ ڈھاؤ۔''

☆ ايها الناس ان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق السماوات والارض فلا شهر ينسى ولا عدة تحصى الا وان الحج في ذي الحجة الى يوم القيامة (مسند الربیع بن حبیب البصری ۳۰۱)

''اے لوگو! زمانہ آج پھر اسی ترتیب پر واپس آچکا ہے جو اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت مقرر کی تھی۔ اب نہ کوئی مہینہ بھلایا جائے گا اور نہ مہینوں کی گنتی رکھنا پڑے گی۔ آگاہ رہو! اب قیامت تک حج ذوالحجہ کے مہینے میں ہی ادا کیا جائے گا۔''

☆ ابوبکرۃ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ: اى شهر هذا؟ قلنا الله ورسوله اعلم فسكت حتى ظننا انه سيسميه بغير اسمه، قال اليس ذو الحجة؟ قلنا بلى قال فاى بلد هذا؟ قلنا الله ورسوله اعلم فسكت حتى ظننا انه سيسميه

ر اسمه، قال اليس البلدة؟ قلنا بلى، قال فاى يوم هذا؟ قلنا الله ورسوله
م، فسكت حتى ظننا انه سيسميه بغير اسمه، قال اليس يوم النحر؟ قلنا
ى، قال فان دماء كم واموالكم قال محمد واحسبه قال واعراضكم
شاركم] عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم
ـ (بخاری، ۳۰۵۴، ۶۵۵۱)

”(لوگو) یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ اس مہینے کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ ہم نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تمھاری جانیں، تمھارے مال، تمھاری آبروئیں اور تمھارے چمڑے تم پر (آپس میں) اسی طرح حرام ہیں جیسے اس شہر اور اس مہینے میں تمھارے اس دن کی حرمت ہے۔“

للہ بن عمر (بخاری، ۶۷۸۵) عبداللہ ابن عباس (بخاری، ۱۷۳۹) ابوسعید (ابن ماجہ، ۳۹۳۱۔ مسند ۲۳۳۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵۱۳۷، ج ۴، ص ۲۸۹) جابر بن عبداللہ (مسلم، ۲۱۳۷۔ مسند احمد، ۱) حجیط بن شریط (مسند احمد، ۱۷۹۷۳۔ الآحاد والمثانی، ۱۳۹۸) حذیم السعدی (مسند احمد، ۱۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۴۰۰۲) عبداللہ بن مسعود (ابن ماجہ، ۳۰۳۸) عداء بن خالد الکلابی احمد، ۱۹۳۳۷) عمرو بن الاحوص (ترمذی، ۲۰۸۵، ۳۰۱۲) وبرة عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ لم (مسند احمد، ۲۳۳۹۹۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۴۰۹۹) عم ابی حرة الرقاشی (مسند احمد، ۱۹۷۷۴) ن مطعم (دارمی، ۲۲۹) ابو مالک اشعری (طبرانی، مسند الشامیین، ۱۶۶۷) عمار بن یاسر (طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد ۳/۲۶۹) حارث بن عمرو (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳۳۵۱) واصلة بن معبد الجہنی

(طبرانی، المعجم الاوسط، ۳۱۵۶) عبداللہ بن الزبیر (طبرانی فی الاوسط والکبیر، مجمع الزوائد ۲۷۰/۳) ع
بن عبداللہ بن الزبیر (طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ۲۷۰/۳) حجیر (مسند الحارث (زوائد الہیثمی)، ب
الآحاد والمثانی، ۱۶۸۲) ابوامامہ صدی بن عجلان الباہلی (طبرانی، المعجم الکبیر، ۷۶۳۲۔ مسند الشامی
۱۳۳۴) براء بن عازب وزید بن ارقم (طبرانی فی الکبیر والاوسط، مجمع الزوائد ۲۷۱/۳) کعب بن
الاشعری (طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ۲۷۲/۳) عبدالاعلیٰ بن عبداللہ (طبرانی فی الکبیر، مجمع الز
۲۷۳/۳) سراء بنت نبہان (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹۳۶۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲۳۳۰) جمرۃ
قتادہ (طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ۲۷۳/۳) ابو غادیہ (ابن سعد ۱۸۴/۲) سفیان بن و
الخولانی (مسند احمد، ۱۶۸۷۷)]

☆ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ: فدماؤكم واموالكم واعراضكم عليكم
مثل هذا اليوم وهذه البلدة الى يوم تلقونه وحتى دفعة دفعها مسلم مسل
يريد به سوءا حراما۔ (مسند البزار، ۳۷۵۲)

"تمھارے خون اور مال اور آبروئیں تم پر اس دن اور اس شہر کے مانند حرام ہیں، اس دن تک
جب تم اپنے رب کے سامنے پیش ہو گے، حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو ناجائز طور پر
اذیت پہنچانے کے لیے دھکا بھی دیتا ہے تو وہ بھی حرام ہے۔"

☆ ابو مالک کعب بن عاصم الاشعری رضی اللہ عنہ: المومن حرام على المو
كحرمة هذا اليوم لحمه عليه حرام ان ياكله بالغيب ويغتابه وعرضه
حرام ان يخرقه ووجهه عليه حرام ان يلطمه ودمه عليه حرام ان يسف
وماله عليه حرام ان يظلمه واذاه عليه حرام وهو عليه حرام ان يدفعه دف
(طبرانی، مسند الشامیین، ۷

"مسلمان کی حرمت مسلمان کے لیے اسی طرح ہے جیسے آج کے دن کی۔ ایک مسلمان کے لیے
دوسرے مسلمان کی غیبت کرتے ہوئے اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اس کی عزت کو پامال کر
حرام ہے۔ اس کے چہرے پر تھپڑ مارنا حرام ہے۔ اس کا خون بہانا حرام ہے۔ ظلم کرتے ہو

اس کا مال لے لینا حرام ہے۔ اس کو اذیت دینا حرام ہے اور اس کو دھکا دینا حرام ہے۔"

۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: فاتقوا الله فی النساء فانکم اخذتموھن بامان الله واستحللتم فروجھن بکلمة الله ولکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونه فان فعلن ذلك فاضربوھن ضربا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔ (مسلم، ۲۱۳۷)

"پس عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امان کے تحت اپنے نکاح میں لیا ہے اور خدا کی اجازت کے تحت ان کی شرم گاہوں سے فائدہ اٹھانا تمھارے لیے حلال ہے۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ کسی کو تمھارے بستر پامال نہ کرنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں اتنا مار سکتے ہو کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے۔ اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم معروف کے مطابق ان کا رزق اور پوشاک انھیں مہیا کرو۔"

[عم ابی حرۃ الرقاشی (مسند احمد، ۱۹۷۷۴)]

۔ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ: الا واستوصوا بالنساء خیرا فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلك الا ان یاتین بفاحشة مبینة فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا الا ان لکم علی نساءکم حقا ولنساءکم علیکم حقا فاما حقکم علی نساءکم فلا یوطئن فرشکم من تکرھون ولا یاذن فی بیوتکم لمن تکرھون الا وان حقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن۔ (ترمذی، ۳۰۱۲)

"سنو، عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔ وہ تمھارے پاس امانت ہیں اور تم اس کے علاوہ ان پر کسی قسم کا حق نہیں رکھتے، سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انھیں ان کے بستروں میں الگ کردو اور انھیں اتنا مار سکتے ہو کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے۔ پھر اگر وہ تمھاری اطاعت کریں تو ان پر (زیادتی کی) راہ نہ ڈھونڈو۔ آگاہ رہو!

تمھارے بھی تمھاری عورتوں پر حقوق ہیں اور تمھاری عورتوں کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ تمھارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو تمھارے بستر پامال نہ کرنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور نہ تمھارے ناپسندیدہ افراد کو تمھارے گھروں میں آنے کی اجازت دیں۔ اور سنو، ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم دستور کے مطابق ان کا رزق اور پوشاک انھیں مہیا کرنے میں بہترین طریقہ اختیار کرو۔"

[عبداللہ ابن عمر (مسند الرویانی، ۱۳۱۶)]

☆ یزید بن جاریہ رضی اللہ عنہ: ارقاء کم ارقاء کم ارقاء کم اطعموهم م
تاکلون واکسوهم مما تلبسون فان جاء وا بذنب لا تریدون ان تغف
فبیعوا عباد الله ولا تعذبوهم۔ (مسند احمد، ۱۵۸۱۳۔ مصنف عبدالرزاق، ۱۷۹۳۵)

"اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔ اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔ اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔ جو تم خود کھاتے ہو، انھیں بھی کھلاؤ۔ جو تم خود پہنتے ہو، انھیں بھی پہناؤ۔ اگر ان سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کے ان بندوں کو بیچ دو لیکن انھیں عذاب نہ دو۔"

☆ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ: اوصیکم بالجار فاکثر حتی قلت انه سیورثه۔
(طبرانی، مسند الشامیین، ۳

"میں تمھیں پڑوسی کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا ہوں۔ (ابوامامہ کہتے ہیں کہ) آپ نے یہ بات اتنی مرتبہ کہی کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ پڑوسی کو وراثت میں بھی حق دار قرار دیں گے۔"

☆ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ: لا تنفق امراة شیئا من بیت زوجها الا باذن زو
قیل یا رسول الله ولا الطعام قال ذاك افضل اموالنا۔ (ترمذی، ۶۰۶، ۲۰۳۶)

"کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ، کھانا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو ہمارا سب سے بہترین مال ہے (اس لیے اس کو خرچ کرنے کی بھی اجازت نہیں)۔"

[انس بن مالک (المقدسی، الاحادیث المختارة، ۲۱۴۷)]

☆ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ: الا اخبركم بالمومن من امنه الناس على اموالهم وانفسهم والمسلم من سلم الناس من لسانه ويده والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب۔

(مسند احمد، ۲۳۸۳۳ ـ صحیح ابن حبان، ۴۸۶۲)

”کیا میں تمھیں بتاؤں کہ مومن کون ہے؟ وہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو محفوظ سمجھیں۔ اور مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے لوگ بچے رہیں۔ اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور غلطیوں کو ترک کر دے۔“

[ابو مالک الاشعری (طبرانی، مسند الشامیین، ۱۶۶۷)]

☆ حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ: وامر بالصدقة فقال تصدقوا فاني لا ادری لعلكم لا تروني بعد يومي هذا۔ (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳۳۵۱)

”آپ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ صدقہ کرو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ تم آج کے بعد مجھے دیکھ سکو گے یا نہیں۔“

☆ سلیم بن اسود عن رجل من بنی یربوع: يد المعطي العليا امك واباك واختك واخاك ثم ادناك فادناك۔ (مسند احمد، ۱۶۰۱۸)

”دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے۔ پہلے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر خرچ کرو، پھر درجہ بدرجہ اپنے قریبی رشتہ داروں پر۔“

[اسامۃ بن شریک (المعجم الکبیر، ۴۸۴ ـ حجۃ الوداع، ۱۹۱، ۲۱۵/۱ ـ معجم الشیوخ، ۳۱)]

☆ جمرۃ بنت قحافہ رضی اللہ عنہا: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في حجة الوداع تصدقن ولو من حليكن فانكن اكثر اهل النار فقالت زينب

فقالت یا رسول الله ان زوجی محتاج فهل یجوز لی ان اعود علیه قال نع
لك اجران۔ (المعجم الکبیر، ۲۴/۲۱۰، رقم ۵۳۸)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے سنا کہ اے خواتین، صدقہ کرو، چاہے اپنے زیورات ہی اتار کر دے دو، کیونکہ اہل جہنم میں تمھاری تعداد سب سے زیادہ ہے۔ پس (عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ) زینب آئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ، میرا شوہر ضرورت مند ہے، تو کیا میرے لیے اس کو صدقہ دینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ تمھیں دوہرا اجر ملے گا۔"

[کتب حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد اور زینب رضی اللہ عنہا کے استفسار کا محل ورود ح الوداع کے بجائے مدینہ منورہ بیان ہوا ہے، جبکہ حجۃ الوداع کے موقع پر اس ہدایت کی تصریح ہمیں صرف مذکورہ روایت میں ملی ہے۔]

☆ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ: الا لا یجنی جان الا علی نفسه الا لا یجنی
والد علی ولده ولا ولد علی والده۔ (ترمذی، ۳۰۱۲)

"خبردار! کوئی بھی زیادتی کرنے والا اس کا خمیازہ خود ہی بھگتے گا۔ نہ تو باپ کی زیادتی کا بدلہ اس کے بیٹے سے لیا جائے اور نہ بیٹے کی زیادتی کا بدلہ اس کے باپ سے۔"

☆ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ: لا یوخذ الرجل بجریرة اخیه ولا بجریرة ابیه
(المعجم الاوسط، ۳۱۶۶)

"کسی شخص کو اس کے بھائی یا باپ کے جرم میں نہ پکڑا جائے۔"

[عبداللہ بن مسعود (رواہ البزار، مجمع الزوائد ۶/۲۸۳) اسود بن ثعلبۃ الیربوعی (الاستیعاب ۱/۹۰)]

☆ سلیم بن اسود عن رجل من بنی یربوع: قال رجل یا رسول الله هولاء بنو ثعل
الذین اصابوا فلانا قال فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا لا تجنی
نفس علی اخری۔ (مسند احمد، ۱۶۰۱۸)

"ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بنو ثعلبہ ہیں جنھوں نے فلاں شخص کو قتل کر دیا ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! کسی شخص کی زیادتی کا بدلہ دوسرے شخص سے نہ لیا جائے۔"

[اسامۃ بن شریک (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳۸۴ ـ الصیداوی، معجم الشیوخ، ۳۱ ـ ابن حزم، حجۃ الوداع، ۲۱۵/۱]

☆ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ: ان کل مسلم اخ المسلم المسلمون اخوۃ ولا یحل لامریٔ من مال اخیہ الا ما اعطاہ عن طیب نفس ولا تظلموا۔

(مستدرک حاکم، ۳۱۸)

"ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کے مال میں سے کچھ لے، مگر وہی جو وہ اپنے دل کی خوشی سے دے دے۔

اور ظلم نہ کرو۔"

☆ عم ابی حرۃ الرقاشی رضی اللہ عنہ: اسمعوا منی تعیشوا، الا لا تظلموا، الا لا تظلموا، الا لا تظلموا، انہ لا یحل مال امریٔ الا بطیب نفس منہ۔

(مسند احمد، ۱۹۷۷۴)

"میری بات سنو، زندگی پا جاؤ گے۔ سنو، ظلم نہ کرو۔ سنو، ظلم نہ کرو۔ سنو، ظلم نہ کرو۔ کسی شخص کا مال اس کے دل کی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں۔"

[عبداللہ ابن عمر (مسند الرویانی، ۱۴۲۶ ـ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۱۳۰۶) عمرو بن الاحوص (ترمذی، ۳۰۱۲)]

☆ عمرو بن یثربی الضمری: ولا یحل لاحد من مال اخیہ الا ما طابت بہ نفسہ فلما سمعہ قال ذلک قال یا رسول اللہ ارایت لو لقیت غنم ابن عمی فاخذت منہا شاۃ فاجتززتہا فعلی فی ذلک شیٔ؟ قال ان لقیتہا نعجۃ تحمل شفرۃ وزنادا بخبت الجمیش فلا تمسہا۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۱۳۰۵)

"کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کے مال میں سے کچھ لے، مگر وہی جس پر وہ دل سے راضی ہو۔ ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے اپنے چچا زاد بھائی کی بکریوں کا ریوڑ دکھائی دے اور میں ان میں سے ایک بکری لے کر اس کو ذبح کر لوں تو کیا مجھے اس کا گناہ

ہوگا؟ آپ نے فرمایا، اگر تمھیں کوئی بکری وادی حمیش میں اس حال میں ملے کہ چھری اور (آگ جلانے کے لیے) چقماق بھی اس نے ساتھ اٹھا رکھے ہوں، تب بھی تم اس کو ہاتھ مت لگانا۔"

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: العاریة مودلة والمنحة مردودة والدین مقضی والزعیم غارم۔ (ترمذی، ۲۰۴۶)

"عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے۔ دودھ پینے کے لیے جو جانور کسی نے دیا ہو، اسے لوٹایا جائے۔ لیا ہوا قرض ادا کیا جائے اور جس شخص (قرض کی واپسی کا) ضامن بنا ہو، وہ (مقروض کی طرف سے ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں) ذمہ دار ہوگا۔"

[انس بن مالک (المقدسی، الاحادیث المختارۃ، ۷، ۲۱۴)]

☆ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: یا ایها الناس من کانت عنده ودیعة فلیردها الی من ائتمنه علیها۔ (مسند الرویانی، ۱۴۱۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۱۳۰۶)

"اے لوگو! جس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو، وہ اسے اس کو واپس کر دے جس نے اس کے پاس اسے امانت رکھا ہے۔"

☆ محمد بن مہران عن ابیہ: یا معشر التجار انی ارمی بها بین اکتافکم لا تلقوا الرکبان لا یبع حاضر لباد۔ (ابن حجر، الاصابہ، ۸۶۳۸، ۳۸۵/۶)

"اے تاجروں کے گروہ! میں یہ بات تمھیں علی الاعلان کہتا ہوں کہ (بازار کے نرخ سے کم قیمت پر مال خریدنے کے لیے) تم تجارتی قافلوں (کے شہر میں آنے سے پہلے ہی ان) سے مال نہ خریدو۔ کوئی شہری کسی دیہاتی کا دلال نہ بنے۔"

[کتب حدیث کی عام روایات میں یہ ارشاد حجۃ الوداع کے حوالے کے بغیر نقل کیا گیا ہے، جبکہ حجۃ الوداع کی تصریح ہمیں صرف اس روایت میں ملی ہے۔]

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: ان اللہ قد اعطی لکل ذی حق حقه فلا وصیة

لوارث۔ (ترمذی، ۲۰۴۶)

''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لیے اب کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔''

[انس بن مالک (الاحادیث المختارۃ، ۲۱۴۷) عمرو بن خارجہ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱۱/۶) (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۸۳)]

☆ عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ: الولد للفراش وللعاهر الحجر ومن ادعى الى غير ابيه او تولى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۶/۱۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۸۳)

''بچے کا نسب اسی سے ثابت ہوگا جس کے نکاح میں عورت ہوگی، جبکہ بدکاری کرنے والے کا بچے پر کوئی حق نہیں، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔ جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اور جو غلام اپنی نسبت اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی اور کی طرف کرے گا، اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی معاوضہ یا تاوان قبول نہیں کریں گے۔''

[ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (ترمذی، ۲۰۴۶) انس بن مالک (الاحادیث المختارۃ، ۲۱۴۷)]

☆ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ: لا تالوا على الله فانه من تالى على الله اكذبه الله۔ (المعجم الکبیر، ۷۸۹۸)

''قسم کھا کر اللہ پر کوئی بات لازم نہ کرو، کیونکہ جو ایسا کرے گا، اللہ اس کو جھوٹا کر دکھائے گا۔''

☆ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ: لا يزال هذا الدين ظاهرا على من ناواه لا يضره مخالف ولا مفارق حتى يمضي من امتي اثنا عشر اميرا .... كلهم من قريش۔ (مسند احمد، ۱۹۸۸۷)

''یہ دین ان لوگوں کے مقابلے میں غالب رہے گا جو اس کی مخالفت میں اٹھیں گے۔ نہ اس کو کوئی مخالف نقصان پہنچا سکے گا اور اس سے جدا ہونے والا، یہاں تک کہ میری امت میں بارہ امیر حکومت کر چکیں جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''

☆ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: ذکر المسیح الدجال فاطنب فی ذکرہ وقال ما بعث اللہ من نبی الا انذر امته انذرہ نوح والنبیون من بعدہ وانه یخرج فیکم فما خفی علیکم من شانه فلیس یخفی علیکم ان ربکم لیس علی ما یخفی علیکم ثلاثا ان ربکم لیس باعور وانه اعور عین الیمنی کانه عینه عنبة طافیة۔ (بخاری،۳۰۵۱۔ مسند احمد،۵۹۰۹)

''آپ نے مسیح دجال کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور فرمایا کہ اللہ نے جس نبی کو بھی بھیجا ہے، اس نے اپنی امت کو دجال سے خبردار کیا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اور ان کے بعد آنے والے سب نبیوں نے اس سے آگاہ کیا۔ اور دجال کا خروج تمھارے اندر ہوگا۔ پس اس کی اور باتوں اگر تم پر مخفی رہیں تو یہ بات تم پر چھپی ہوئی نہیں ہے کہ تمھارے رب کی صفات تم پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ کہی۔ تمھارا رب کانا نہیں ہے، جبکہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، یوں جیسے اس کی آنکھ انگور کا کوئی پھٹا ہوا دانہ ہو۔''

☆ ام الحصین رضی اللہ عنہ: ان امر علیکم عبد مجدع حسبتها قالت اسود یقودکم بکتاب اللہ تعالی فاسمعوا له واطیعوا۔ (مسلم،۲۲۸۷)

''اگر کسی کٹے ہوئے کان والے سیاہ فام غلام کو بھی تم پر امیر مقرر کیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمھاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

☆ ابوالزواند رضی اللہ عنہ: یا ایها الناس خذو العطاء ما کان عطاء فاذا تجاحفت قریش علی الملك وکان عن دین احدکم فدعوہ۔

(ابوداؤد،۲۵۶۹، ۲۵۷۰)

"اے لوگو! جب تک (حکمرانوں کی طرف سے ملنے والا) عطیہ، عطیہ رہے تب تک لیتے رہو۔ پھر جب قریش بادشاہت پر آپس میں جنگ وجدال کرنے لگیں اور عطیہ تمہارے دین وایمان کی قیمت پر ملے تو اسے لینا چھوڑ دو۔"

☆ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ: خذوا العطاء ما كان عطاء فاذا تجاحفت قريش الملك فی ما بينها و كان العطاء رشوة علی دينكم فلا تاخذوه۔

(ابوبکر الشیبانی، الآحاد والمثانی، ۲۶۳۶)

"جب تک عطیہ عطیہ رہے، تب تک لیتے رہو۔ پھر جب قریش بادشاہت پر آپس میں جنگ وجدال کرنے لگیں اور عطیہ دین وایمان کے معاملے میں رشوت کے طور پر ملے تو مت لو۔"

☆ سفیان بن وہب الخولانی: روحة فی سبيل الله خير من الدنيا وما عليها وغدوة فی سبيل الله خير من الدنيا وما عليها۔ (مسند احمد، ۱۶۸۷۷)

"اللہ کے راستے میں ایک شام گزارنا دنیا اور جو کچھ اس میں پایا جاتا ہے، سب سے بہتر ہے، اور اللہ کے راستے میں ایک صبح گزارنا دنیا اور جو کچھ اس میں پایا جاتا ہے، سب سے بہتر ہے۔"

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: من اسلم من اهل الكتابين فله اجره مرتين وله مثل الذی لنا وعليه مثل الذی علينا ومن اسلم من المشركين فله اجره وله مثل الذی لنا وعليه مثل الذی علينا۔ (طبری، جامع البیان، ۲۷/۲۳۳)

"اہل کتاب، یہود ونصاریٰ میں سے جو اسلام لائے گا، اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہماری ہیں۔ اور مشرکین میں سے جو اسلام قبول کرے گا، اس کو بھی اس کا اجر ملے گا اور اس کے حقوق اور فرائض بھی وہی ہوں گے جو ہمارے ہیں۔"

☆ ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ: يا ايها الناس خذوا من العلم قبل ان يقبض العلم وقبل ان يرفع العلم، وقد كان انزل الله عزوجل يا ايها الذين آمنوا لا تسالوا

عن اشياء ان تبدلكم تسوكم وان تسالوا عنها حين ينزل القرآن تبد لك
عفا الله عنها والله غفور حليم قال فكنا قد كرهنا كثيرا من مسالته واتقي
ذاك حين انزل الله على نبيه صلى الله عليه وسلم قال فاتينا اعرابيا فرشونا
برداء قال فاعتم به حتى رايت حاشية البرد خارجة من حاجبه الايمن قال
ثم قلنا له سل النبي صلى الله عليه وسلم قال فقال له يا نبي الله كيف يرفع
العلم منا وبين اظهرنا المصاحف وقد تعلمنا ما فيها وعلمنا نساءنا
وذرارينا وخدمنا قال فرفع النبي صلى الله عليه وسلم راسه وقد علت
وجهه حمرة من الغضب قال فقال اى ثكلتك امك هذه اليهود والنصارى
بين اظهرهم المصاحف لم يصبحوا يتعلقوا بحرف مما جاءتهم به
انبياؤهم الا وان من ذهاب العلم ان يذهب حملته ثلاث مرار۔

(مسند احمد، ۲۱۲۵۹)

"اے لوگو! علم حاصل کرلو اس سے قبل کہ علم کو قبض کرلیا جائے اور اٹھا لیا جائے۔ (ابو امامہ کہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر رکھا تھا کہ اے ایمان والو! ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر کردی گئیں تو تمہیں نقصان دیں گی اور اگر تم ان کے بارے میں پوچھو گے تو جب تک قرآن نازل ہو رہا ہے وہ تمہیں بتائی جاتی رہیں گی۔ اللہ نے خود ہی ان کو بیان نہیں کیا اور اللہ معاف کرنے والا بردبار ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت اتاری تو اس کے بعد ہم آپ سے بہت سی باتیں پوچھنے سے گریز کرنے لگے۔ (جب آپ نے یہ فرمایا کہ علم حاصل کرلو اس سے قبل کہ علم کو قبض کرلیا جائے تو) ہم ایک بدو کے پاس گئے اور اسے ایک چادر کی رشوت دی۔ اس نے اس چادر کا عمامہ سر پر باندھ لیا، یہاں تک کہ مجھے چادر کا کنارہ اس کی دائیں ابرو کی طرف سے نکلا ہوا دکھائی دیا۔ پھر ہم نے اس سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے نبی، ہمارے اندر سے علم کیسے اٹھا لیا جائے گا جبکہ قرآن مجید کے مصحف ہمارے مابین ہوں گے اور ہم نے ان کو سیکھ رکھا ہوگا اور اپنی عورتوں اور بچوں اور اپنے خادموں کو بھی اس کی تعلیم دے رکھی ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر

مبارک اٹھایا اور آپ کے چہرے پر غصے کی وجہ سے سرخی نمایاں تھی۔ آپ نے فرمایا، تمھاری ماں تم سے محروم ہو جائے، یہود و نصاریٰ کو دیکھو ان کے مصاحف ان کے پاس موجود ہیں لیکن ان کے انبیا جو تعلیمات لائے تھے، وہ ان میں سے کسی بات پر بھی قائم نہیں رہے۔ سنو، علم کے چلے جانے کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ علم کے حامل رخصت ہو جائیں۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔"

حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ: ووقت يلملم لاهل اليمن ان يهلوا منها و ذات عرق لاهل العراق او قال لاهل المشرق۔ (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳۳۵۱)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے یلملم کو اور عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر کیا کہ وہ وہاں سے احرام باندھ لیں۔"

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ان النبي صلى الله عليه وسلم بينا هو يخطب يوم النحر فقام اليه رجل فقال كنت احسب يا رسول الله ان كذا وكذا قبل كذا و كذا ثم قام آخر فقال كنت احسب يا رسول الله ان كذا وكذا قبل كذا و كذا لهولاء الثلاث فقال النبي صلى الله عليه وسلم افعل ولا حرج۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹۳۹۳)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر کو خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ، میں سمجھا کہ حج کا فلاں عمل فلاں عمل سے پہلے کرنا ہے۔ پھر ایک اور شخص اٹھا اور اس نے بھی کہا کہ یارسول اللہ، میں سمجھا کہ حج کا فلاں عمل فلاں عمل سے پہلے کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کرلو، کوئی حرج نہیں۔"

اسامۃ بن شریک: ساله رجل نسي ان يرمي الجمار فقال ارم ولا حرج ثم اتاه آخر فقال يا رسول الله نسيت الطواف فقال طف ولا حرج ثم اتاه آخر حلق قبل ان يذبح فقال اذبح ولا حرج [ان الله عز وجل وضع الحرج

الا من اقترض امرا مسلما ظلما او قال بظلم فذلك حرج وهلك]۔

(صحیح ابن خزیمہ، ۲۹۵۵۔ المعجم الکبیر ۳۸۲،۳۸۴۔ حجۃ الوداع ۱۹۱، ال...

''ایک شخص نے جو جمرات پر رمی کرنا بھول گیا تھا، آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب رمی کرلو، کوئی حرج نہیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ، میں طواف کرنا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب کرلو، کوئی حرج نہیں۔ پھر ایک اور شخص آیا جس نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اب قربانی کرلو، کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں حرج اور گناہ نہیں رکھا، ہاں جو شخص کسی مسلمان پر زیادتی کرتے ہوئے اس کی عزت کو پامال کرے گا، حقیقت میں وہی حرج میں پڑے گا اور برباد ہوگا۔''

[عبداللہ ابن عباس (ابوداود، ۱۷۲۲)]

☆ قرۃ بن دعموص رضی اللہ عنہ: قال الفينا النبي صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع فقلنا يا رسول الله ما تعهد الينا قال اعهد اليكم ان تقيموا الصلاة وتؤتوا الزكاة وتحجوا البيت الحرام وتصوموا رمضان فان فيه ليلة خير من الف شهر وتحرموا دم المسلم وماله والمعاهد الا بحقه وتعتصموا بالله والطاعة۔ (بیہقی، شعب الایمان، ۳۳۲۰۔ ابن حجر، الاصابہ، ۴۳۵/۵)

''حجۃ الوداع کے موقع پر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ، آپ ہمیں کس چیز کی تاکید فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں تمھیں اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، بیت الحرام کا حج کرو، رمضان کے روزے رکھو کیونکہ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور تم مسلمان اور معاہدہ کافر کی جان اور اس کے مال کو حرمت والا سمجھو الا یہ کہ کسی حق کے تحت اس سے تعرض کیا جائے، اور تم اللہ کی فرماں برداری اور اس کی اطاعت پر قائم رہو۔''

☆ عمیر بن قتادۃ: ان رجلا ساله فقال يا رسول الله ما الكبائر فقال هو تسع الشرك بالله وقتل نفس مومن بغير حق وفرار يوم الزحف واكل مال ال...

ل الربا وقذف المحصنة وعقوق الوالدين المسلمين واستحلال البيت
رام قبلتكم احياء وامواتا۔ (مستدرک حاکم، ۱۹۷)

"ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ، کبیرہ گناہ کون سے
ہیں؟ آپ نے فرمایا کبیرہ گناہ نو ہیں: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، کسی مومن کو ناحق قتل کرنا،
میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، کسی پاک دامن خاتون پر الزام
لگانا، مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا، اور بیت الحرام کی، جو تمھارا قبلہ ہے، زندگی یا موت کی
حالت میں بے حرمتی کرنا۔"

اسامہ بن شریک: قالوا يا رسول الله انتداوى من كذا و كذا مرتين قال
نعم تداووا فان الله عز وجل لم ينزل داء الا انزل له شفاء غير داء واحد
الهرم۔ (المعجم الکبیر، ۴۸۴، ۴۸۴)

"لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ہم فلاں فلاں چیز کو دوا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں؟ دو
مرتبہ یہ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، ہاں، دوا استعمال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری نازل
کی ہے، اس کی شفا بھی اتاری ہے، سوائے ایک بیماری یعنی بڑھاپے کے۔"

اسامہ بن شریک: قالوا يا رسول الله ما خير ما اعطى الناس قال خلق
حسن۔ (المعجم الکبیر، ۴۸۴)

"لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ، لوگوں کو ملنے والی چیزوں میں سے بہترین چیز کون سی ہے؟
آپ نے فرمایا: اچھا اخلاق۔"

عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ: لاقتلن العمالقة فى كتيبة فقال له جبريل عليه
السلام او على قال او على بن ابى طالب۔

(مستدرک حاکم، ۴۶۳۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱۰۸۸)

"میں ایک لشکر لے کر عمالقہ (یعنی خوارج) کو قتل کر دوں گا۔ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا

کر یا پھر علی۔ آپ نے فرمایا: یا پھر علی بن ابی طالب۔"

[امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس روایت کا راوی سلمہ بن کہیل بے حد ضعیف ہے اور امام حاکم کا مذکورہ روایت کو مستدرک میں قوی قرار دینا درست نہیں۔ (میزان الاعتدال، ۷/۱۸۵)]

☆ عم ابی حرۃ الرقاشی رضی اللہ عنہ: الا ان الشیطان قد ایس ان یعبدہ المصلون ولکنه فی التحریش بینهم۔ (مسند احمد، ۴/۷۷ ۱۹)

"سنو! شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ عبادت گزار اس کی عبادت کریں، لیکن وہ اہل ایمان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی پوری کوشش کرے گا۔"

☆ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ: الا وان الشیطان قد ایس من ان یعبد فی بلادکم هذه ابدا ولکن ستکون له طاعة فی ما تحتقرون من اعمالکم فسیرضی به۔ (ترمذی، ۲۰۸۵)

"آگاہ رہو! شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ تمھارے اس علاقے میں اس کی دوبارہ کبھی عبادت کی جائے۔ ہاں ان اعمال میں ضرور اس کی اطاعت کی جائے گی جنھیں تم حقیر خیال کرتے ہو، اور وہ اسی پر خوش رہے گا۔"

[عبداللہ ابن عباس (مستدرک حاکم، ۳۱۸) عبداللہ ابن عمر (مسند رویانی، ۱۳۱۶)]

☆ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: ایها الناس ان الشیطان قد یئس ان یعبد ببلدکم هذا آخر الزمان وقد رضی منکم بمحقرات الاعمال فاحذروه علی دینکم محقرات الاعمال۔ (مسند عبد بن حمید، ۸۵۸)

"اے لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ تمھارے اس علاقے میں قیامت تک کبھی اس کی دوبارہ عبادت کی جائے۔ ہاں وہ تمھارے ایسے اعمال پر خوش ہوتا رہے گا جنھیں تم حقیر خیال کرتے ہو، اس لیے اپنے دین کے معاملے میں ان اعمال سے خبردار رہو جنھیں حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے۔"

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ: یا ایہا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان
سمتم به فلن تضلوا ابدا کتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم۔
(مستدرک حاکم، ۳۱۸)

"اے لوگو! میں تم میں وہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کا دامن تھامے رکھو گے،
کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔"

ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱۰۲۰/۲]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: یا ایہا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم
تضلوا کتاب الله وعترتي اهل بيتي۔ (ترمذی، ۳۷۱۸)
"اے لوگو! میں تم میں وہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کا دامن تھامے رکھو گے،
کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔"

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعده ان
سمتم به کتاب الله۔ (مسلم، ۲۱۳۷)
میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کو تھامے رکھنے کی صورت میں تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے،
یعنی اللہ کی کتاب۔"

ابن عمر (مسند الرویانی، ۱۳۱۶)]

بکرۃ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ: وستلقون ربكم فيسالكم عن اعمالكم الا
جعوا بعدي ضلالا يضرب بعضكم رقاب بعض۔ (بخاری ۳۰۵۴)
اور جلد ہی تمہاری اپنے رب سے ملاقات ہو گی اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں
چھے گا۔ آگاہ رہو! میرے بعد دوبارہ گمراہی کی طرف نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں
تے رہو۔"

بن عبداللہ (بخاری، ۱۱۸۰) ابن عباس (بخاری، ۱۶۲۳) ابن عمر (بخاری، ۳۰۵۱) عداء بن خالد

الکلابی (مسند احمد، ۱۹۴۴۷) عبدالاعلیٰ بن عبداللہ (طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ۲۷۳/۳) خز
الیمان (المعجم الاوسط، ۳۱۶۶) عبداللہ بن مسعود (بزار ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ۱۸۳/۶
(مسند الحارث (زوائد الہیثمی)، ۲۷۔ا) حادو الشانی، ۱۲۸۲) ابو غادیہ (ابن سعد ۱۸۴/۲)]

☆ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ: الا ان کل نبی قد مضت دعوته الا دعوتی قد ادخرتها عند ربی الی یوم القیامة ۔(طبرانی المعجم الکبیر، ۷۶۳۲۔ مسند الشامیین

''سنو! ہر نبی نے اپنی مخصوص دعا (دنیا ہی میں) مانگ لی ہے، جبکہ میں نے اپنی خاص دعا مانگنے کا حق قیامت کے دن تک کے لیے اپنے رب کے پاس محفوظ رکھا ہوا ہے۔''

☆ جریر بن الارقط رضی اللہ عنہ: رایت النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع فسمعته یقول اعطیت الشفاعة۔

(ابن حجر، الاصابہ، ۱۱۳۶۔ وقال: رواہ ابن مندۃ من طریق یعلیٰ بن الاشدق وهو متروک)

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں یہ فرماتے سنا کہ مجھے (اپنی امت کے لیے) شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔''

[حجۃ الوداع کے موقع کی تصریح کے بغیر یہ روایت 'اعطیت الشفاعة وهی نائلة من لا یشرک بالله شیئا' کے الفاظ سے ابو جعفر سے مصنف ابن ابی شیبہ (رقم ۳۱۷۴۲) میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن ابی عاصم کی 'السنۃ' (رقم ۸۰۳) میں مروی ہے۔]

☆ مرۃ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا وانی فرطکم علی الحوض انظرکم وانی مکاثر بکم الامم فلا تسودوا وجهی الا وقد رایتمونی وسمعتم منی وستسالون عنی فمن کذب علی فلیتبوا مقعده من النار وانی مستنقذ رجالا او اناثا ومستنقذ منی آخرون فاقول یا رب اصحابی فیقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك۔ (مسند احمد، ۲۲۳۹۹۔ نسائی، السنن الکبریٰ،

''آگاہ رہو! میں تم سب سے پہلے حوض پر پہنچ کر تمہارا منتظر ہوں گا۔ اور میں تمہارے ذر

ے دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت ظاہر کروں گا، اس لیے مجھے رسوا نہ کرنا۔ سنو، تم نے مجھے دیکھا بھی ہے اور میری باتیں بھی سنی ہیں۔ اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، اس نے اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لیا۔ سنو، (قیامت کے دن) کچھ لوگوں کو میں (اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے) بچاؤں گا لیکن کچھ لوگوں کو مجھ سے چھین لیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یا اللہ، یہ میرے ساتھی ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انھوں نے کیسی کیسی بداعمالیاں انجام دیں۔"

اللہ بن مسعود (ابن ماجہ، ۳۰۵۷)، ابو امامہ باہلی (مسند الشامیین، ۲، ۱۳۴۴۔ المعجم الکبیر، ۸، ۷۶۳۲)]

عداء بن خالد بن عمرو رضی اللہ عنہ: یا معشر قریش لا تجیئونی بالدنیا تحملونها علی اعناقکم ویجیئ الناس بالآخرة فانی لا اغنی عنکم من الله شیئا۔ (المعجم الکبیر، ۱۸/۱۲، رقم ۱۶)

"اے گروہ قریش! ایسا نہ ہو کہ (قیامت کے دن) تم اپنی گردنوں پر دنیا کو اٹھائے ہوئے آؤ اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لے کر آئیں، کیونکہ میں اللہ کی پکڑ کے مقابلے میں تمھارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔"

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ: الا لیبلغ شاهدکم غائبکم لا نبی بعدی و لا امة بعدکم۔ (مسند الرویانی، ۱۴۱۶، ۲/۴۱۲۔ مسند عبد بن حمید، ۸۵۸، ۱/۲۷۰)

"تم میں سے جو موجود ہیں، وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ نہ میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ تمھارے بعد کوئی امت۔"

ابو بکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ: الا لیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من یبلغه ان یکون اوعی له من بعض من سمعه۔ (بخاری، ۳۰۵۴)

"سنو، جو موجود ہیں، وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جن کو یہ باتیں پہنچیں، ان میں سے کچھ ان کی بہ نسبت ان کو زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والے ہوں جنھوں نے براہ راست مجھ سے سنی ہیں۔"

[عبداللہ ابن عباس (بخاری، ۱۶۲۳) ابوسعید (مسند احمد، ۱۱۳۹۱۔ بیہقی شعب الایمان، ۷، ۵۱۳۷، ص ۴۸۹) عم ابی حرۃ الرقاشی (مسند احمد، ۲۰۷۷۳، ۱۹۷۷) حارث بن عمرو (طبرانی فی الکبیر والاوسط، الزوائد ۳/۲۶۹) وابصہ بن معبد الجہنی (طبرانی فی الاوسط وابو یعلی، مجمع الزوائد ۳/۲۶۹) حجیر (طبرانی الکبیر، مجمع الزوائد ۳/۲۷۰) حجیر (مسند الحارث (زوائد الہیثمی)، ۲۷،۔ الآحاد والمثانی، ۱۶۸۲) سراء نبہان (المعجم الاوسط، ۴۴۳۰)]

☆ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ: ایها الناس انی والله لا ادری لعلی لا القاکم بعد یومی هذا بمکانی هذا فرحم الله من سمع مقالتی الیوم فوعاها فرب حامل فقه و لا فقه له ورب حامل فقه الی من هو افقه منه ۔

(دارمی، ۲۲۹۔ مسند ابی یعلی، ۷۴۱۳۔ مستدرک حاکم، ...

"اے لوگو! بخدا مجھے معلوم نہیں کہ آج کے بعد میں اس جگہ تم سے مل سکوں گا یا نہیں۔ پس اللہ اس شخص پر رحمت کرے جس نے آج کے دن میری باتیں سنیں اور انھیں یاد کیا، کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں سمجھ داری کی باتیں یاد ہوتی ہیں جبکہ انھیں ان کی سمجھ حاصل نہیں ہوتی۔ اور بہت سے لوگ سمجھ داری کی باتوں کو یاد کر کے ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔"

[عبداللہ ابن عمر (مسند الشامیین، ۵۰۸۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ۱/۱۹۰) ابوسعید الخدری (رواہ البزار، الزوائد ۱/۱۳۷۔ الترغیب والترہیب ۱/۴۳) انس بن مالک (المعجم الاوسط، ۹۴۴۴) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۸/۶۰]

☆ ابوموسیٰ مالک بن عبادہ الغافقی رضی اللہ عنہ: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قام خطیبا فی حجة الوداع فقال علیکم بالقرآن وسترجعون الی اقوام یشتهون الحدیث عنی فمن عقل عنی شیئا فلیحدث به ومن قال علی ما لم اقل فلیتبوا مقعده جهنم۔

(الآحاد والمثانی، ۲۶۲۶۔ مسند احمد، ۱۸۱۸۲۔ المحدث الفاصل، ۱/۲...

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ تم قرآن کو لازم پکڑے رکھنا، اور تم لوٹ کر ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو میری باتیں سننے کے خواہش مند ہوں گے، پس جس نے میری کوئی بات اچھی طرح سمجھ کر یاد کی ہو، وہ اس کو بیان کر دے، اور جس نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔‘‘

☆ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: وانتم تسالون عنی فما انتم قائلون؟ قالوا نشهد انك قد بلغت وادیت ونصحت فقال باصبعه السبابة یرفعها الی السماء وینکتها الی الناس اللهم اشهد اللهم اشهد ثلاث مرات۔ (مسلم، ۲۱۳۷)

’’تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، پس تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا اور پوری خیر خواہی کے ساتھ ذمہ داری ادا کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اس کے ساتھ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا: اے اللہ، گواہ رہنا۔ اے اللہ گواہ رہنا۔ اے اللہ گواہ رہنا۔‘‘

[ابوبکرۃ (بخاری ۴۰۵۴) ابوسعید (ابن ماجہ ۳۹۲۱۔ مسند احمد، ۱۱۳۳۸) ابن عمر (بخاری، ۳۰۵۱) ابن عباس (بخاری، ۱۶۲۳) جابر بن عبداللہ (مسند احمد، ۱۴۳۶۱) عبید بن شریط (مسند احمد، ۱۷۹۷۳۔ آحاد والمثانی، ۱۴۹۸) عداء بن خالد الکلابی (مسند احمد، ۱۹۳۴۷) عمرو بن الاحوص (ابن ماجہ، ۳۰۳۶) سفیان بن وہب الخولانی (مسند احمد، ۱۶۸۷۷) عم ابی حرۃ الرقاشی (مسند احمد، ۱۹۷۷۴) حارث بن عمرو (المعجم الکبیر، ۳۳۵۰) وابصہ بن معبد الجہنی (المعجم الاوسط، ۳۱۵۶) ابو الزوائد (ابوداود، ۲۵۷۰) ابوغادیہ (ابن سعد ۲/۱۸۴)]

خطبہ حجۃ الوداع

کے موضوع پر سلسلہ محاضرات

۳ ستمبر تا ۷ ستمبر ۲۰۰۷ء

دار الہدیٰ، سپرنگ فیلڈ، ورجینیا (امریکہ)

مقرر: ابو عمار زاہد الراشدی

ضبط و تحریر: ناصر الدین خان عامر

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ
حابہ وازواجہ وبناتہ واتباعہ اجمعین۔ اما بعد

محترم بزرگو دوستو بھائیو ساتھیو اور قابل صد احترام ماؤ بہنو بیٹیو!

جناب سرور کائنات فخر موجودات شفیع المذنبین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ وسلم کا ہر ایک ارشاد ہر جملہ اور ہر لفظ اہمیت کا حامل ہے۔ ہر ایک
ہیں ہر ایک جملے میں ہمارے لیے ہدایت اور راہنمائی کے بہت سے پہلو ہیں۔ لیکن جناب نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں ارشادات عالیہ میں جن چند ارشادات کو بہت زیادہ اہمیت
ہے ان میں حجۃ الوداع کا خطبہ بھی شامل ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری
یا، اسے دو حوالوں سے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ ایک اس حوالے سے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ
نے آخری حج وہی کیا، اور اس حوالے سے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس خطبہ میں
فرمایا: لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا۔ یہ میری تم سے آخری اجتماعی ملاقات ہے،
اس مقام پر اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو۔ یعنی حضورؐ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ میں اپنے
سے آخری اجتماعی ملاقات کر رہا ہوں۔ آپؐ نے بطور خاص فرمایا کہ مجھ سے باتیں پوچھ لو سیکھ
سوال کرنا ہے، سوال کر لو شاید اس سال کے بعد میں تم لوگوں سے اس طرح کی ملاقات نہ کر
۔ گویا حضورؐ خود بھی الوداع کہہ رہے تھے۔ اس مناسبت سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا اور وہ حج یہی تھا۔ ہجرت سے پہلے
مکہ مکرمہ میں حضورؐ کا اپنا قیام تھا ۵۳ سال کی عمر تک آپؐ حج کرتے رہے۔ تعداد ذکر نہیں ہے۔

محدثین یہ فرماتے ہیں کہ جب سے حضورؐ نے ہوش سنبھالا' مکہ میں رہے تو ظاہر ہے کہ ہر سال حج میں شریک ہوتے رہے ہوں گے۔ روایات میں یہ ذکر آتا ہے کہ حج کے موقع پر جو اجتماع ہوتا تھا منٰی میں' عرفات میں' لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے حج کے لیے آتے تھے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ آپ مختلف خیموں میں جاتے تھے' لوگوں سے ملتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ انصار مدینہ کے دونوں گروہوں اوس اور خزرج کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رابطہ ہوا' وہ حج ہی کے موقع پر ہوا۔ ان دونوں قبائل کے لوگ حج کے لیے آئے ہوئے تھے' حضور مختلف خیموں میں جا کر دعوت دے رہے تھے تو انہوں نے آپؐ بات توجہ سے سنی اور قبولیت کا اظہار کیا۔

حجۃ الوداع کی پیشگی تیاری

رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ ۹ھ میں مسلمانوں نے اجتماعی طور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں پہلا حج ادا کیا۔ حضورؐ اس حج میں خود تشریف نہیں لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو مدینہ سے امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کے ذریعے حج کے موقع پر کچھ اعلانات کروائے۔ ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا' کچھ اعلانات ان کے ذریعے کروائے اور آئندہ سال اپنے حج کے لیے تیاری کی۔ (بخاری، رقم ۳۵۶) اس تیاری میں دو تین باتیں اہم تھیں۔ مختلف عرب قبائل کے ساتھ معاہدات تھے۔ کچھ کو باقی رکھنے کا فیصلہ کرنا تھا اور کچھ کو ختم کرنے کا۔ اور ایک بات یہ تھی کہ آئندہ سال اپنے حج سے پہلے حضور مکہ کے ماحول میں کچھ صفائی چاہتے تھے۔ مثلاً پہلے ہر قسم کے لوگ حج کے لیے آجاتے تھے۔ آپ نے اعلان کروا دیا کہ آج کے بعد کوئی غیر مسلم یہاں نہیں آئے گا۔ یہ بیت اللہ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے آج کے بعد مسلمانوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں آئے گا۔ یہ بیت اللہ ابراہیمی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے لیے مخصوص ہے۔

دوسری بات یہ کہ پہلے بہت سے لوگ حج کے لیے آتے تو ننگے طواف کرتے' مرد بھی اور عورتیں بھی۔ عورتوں نے معمولی سا لنگوٹی طرز کا کوئی کپڑا پہن رکھا ہوتا تھا اور کہتے تھے کہ یہ نیچر ہے کہ ہم دنیا میں بھی ننگے آئے تھے' اس لیے ہم اللہ کے دربار میں ننگے ہی پیش ہوں گے۔ بعض روایات

(مسلم، رقم ۵۳۵۳) میں ذکر ہے کہ مرد تو تلبیہ پڑھتے تھے، لیکن عورتیں کچھ اشعار پڑھتی تھیں، مثلاً:

اليوم يبدو بعضه أو كله　　فما بدا منه فلا أحله

جن کا مطلب یہ تھا کہ ہم اللہ کے دربار میں اس کیفیت (ننگی حالت) میں پیش ہیں۔ ہمارا ستر سارا یا اس کا کچھ حصہ دکھائی دے گا، لیکن ہم اپنے آپ کو کسی پر حلال نہیں کرتیں کہ وہ ہماری طرف دیکھے۔ اس طرح کے اشعار پڑھتی ہوئی طواف کرتی تھیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان بھی کروا دیا کہ اس کے بعد کوئی شخص ننگا طواف نہیں کرے گا۔ عورتیں تو مکمل لباس میں ہوں گی اور مرد بھی اپنا جسم مکمل طور پر ڈھانپیں گے لیکن دو چادروں سے۔ مردوں کے لیے دو چادریں مخصوص ہوں گی جبکہ عورتیں پورے لباس میں باحیا اور باوقار طریقہ سے آ کر طواف کریں گی۔

یہ دو اعلان حضورؐ نے اگلے سال کے لیے کروا دیے کہ اگلے سال کوئی غیر مسلم حج کے لیے نہیں آئے گا اور کوئی ننگا طواف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی متفرق اعلانات کروائے کہ آج کے بعد حج میں یہ ہوگا اور یہ نہیں ہوگا۔ پھر اس اہتمام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا سال مختلف قبائل میں پیغامات بھیجے کہ آئندہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں، اس لیے جو مسلمان بھی اس موقع پر پہنچ سکتا ہے پہنچے۔ چنانچہ پورا سال یہ اعلانات ہوتے رہے، لوگوں تک یہ پیغام پہنچتا رہا کہ جس مسلمان نے حضور کی رفاقت حاصل کرنی ہے، معیت حاصل کرنی ہے، جس نے آپؐ سے کوئی بات پوچھنی ہے تو وہ حج پر پہنچے۔ چنانچہ پورے اہتمام کے ساتھ جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں سے لوگ حج کے لیے آئے۔ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجۃ الوداع کے موقع پر جمع ہوئے۔ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں صحابہ کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ حضور کی حیات میں اس سے بڑا اصحابہ کا اجتماع نہیں ہوا۔ صحابہ کرام مختلف علاقوں سے آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کیا۔

حجۃ الوداع کے خطبات

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی ہدایات فرمائیں۔ خطبہ حجۃ الوداع جسے کہتے

ہیں، یہ حضورؐ کی مختلف ہدایات کا مجموعہ ہے۔ ان میں دو تو بڑے خطبے ہیں۔ ایک خطبہ حضورؐ نے عرفات میں ارشاد فرمایا۔ یہی خطبہ سنتِ رسولؐ کے طور پر اب بھی ۹ ذی الحجہ کی دوپہر کو عرفات کے میدان میں پڑھا جاتا ہے۔ ایک خطبہ ہے جو حضورؐ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا۔ یہ دو تو باقاعدہ خطبے ہیں جبکہ امام قسطلانیؒ نے ''المواہب اللدنیہ'' میں حضرت امام شافعیؒ کے حوالہ سے چار خطبات کا ذکر کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبات سنے، جس کو جو بات یاد رہی اس نے وہ آگے نقل کر دی۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوالات پوچھے گئے، حضورؐ نے ان کے جوابات دیے۔ حضورؐ نے حج کے مختلف مسائل کے بارے میں بھی ہدایات دیں۔ صحابہ کرام کو عرفات اور منیٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، صحابہ کرامؓ نے جو جو بات یاد رکھی اور وہ آگے منتقل کی، اس کو محدثین نے محفوظ کیا۔ ان سب کا مجموعہ محدثین کی اصطلاح میں حجۃ الوداع کا خطبہ کہلاتا ہے۔ اس میں عرفات ومنیٰ کے دو خطبے بھی شامل ہیں اور مختلف مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر عمومی خطابات بھی شامل ہیں۔

یہ حجۃ الوداع کا خطبہ بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ سینکڑوں روایات میں نقل ہوا ہے۔ وہ زمانہ لکھنے پڑھنے کا زمانہ نہیں تھا، یادداشت کا زمانہ تھا۔ یادداشت پر لوگ اعتماد کرتے تھے۔ اس حجۃ الوداع کے خطبہ پر محدثین نے مختلف ادوار میں کام کیا ہے۔ حجۃ الوداع کی اہمیت کی بات تو یہ ہے کہ یہ حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اور پھر یہ کہ حضورؐ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ شاید یہ میری تمہاری آخری اجتماعی ملاقات ہو۔ پھر ایک بہت اہمیت والی بات یہ ہے کہ اس موقع پر ہی آیت تکمیلِ دین نازل ہوئی۔

دین کی تکمیل کا تاریخی اعلان

بخاری شریف (رقم ۴۳۳۰) کی روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے ان کے دورِ خلافت میں ایک یہودی عالم نے کہا: یا حضرت! آپ کے قرآن میں ایک آیت ایسی ہے وہ آیت اگر ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم آیت کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے۔ ہم باقاعدہ ڈھولے مناتے اس پر کہ فلاں دن یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کون سی آیت؟ اس نے

فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ (المائدہ ۵:۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے دین مکمل کر دیا ہے اپنی نعمت تمام کر دی ہے۔ تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے وحی کا نزول شروع ہوا تھا اس کے بعد مختلف پیغمبروں کے ذریعے ہدایات واحکام نازل ہوتے رہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ احکام آتے بھی رہے منسوخ بھی ہوتے رہے ان میں ترامیم بھی ہوتی رہیں۔ یہ ایک ارتقا کا اور تدریج کا عمل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے وحی کا کام مکمل کر دیا۔ اب قیامت تک کوئی وحی نہیں ہوگی اور نہ احکام میں ردوبدل ہوگا اور نہ ہی کوئی نیا حکم آئے گا۔ تو تکمیل کا معنی یہ ہے کہ وہ وحی جو آدم علیہ السلام پر نازل ہونا شروع ہوئی تھی، وہ تدریج اور ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوئی ہے۔

چنانچہ جب خطبۂ دین مکمل ہوا تو حجۃ الوداع اس کا سب سے بڑا مظہر تھا کہ اتنی شان وشوکت اس سے پہلے مسلمانوں کو کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اعلان فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم'۔ آج کے دن میں تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ واتممت علیکم نعمتی'۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے۔ ورضیت لکم الاسلام دینا'۔ اور میں تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔ آج کے بعد میں کسی انسان سے اسلام ہی کا دین قبول کروں گا اور کوئی دین قبول نہیں کروں گا۔ تو اس یہودی عالم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یا امیر المؤمنین! یہ آیت اگر ہم پر تورات میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم آیت کے نزول والے دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ کی قدرت ہے کہ ہم پر یہ آیت نازل ہی عید والے دن ہوئی ہے۔ تم تو عید بنا لیتے' ہماری پہلے سے عید ہے۔ فرمایا یوم النحر کو منیٰ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اور میں اس موقع پر موجود تھا۔ یوم النحر یعنی عید الاضحیٰ اور قربانی کا دن۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہماری تو دو عیدیں تھیں۔ سالانہ عید بھی تھی اور ہفتہ وار عید بھی تھی، یعنی جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

دورِ جاہلیت کا خاتمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بہت اہم اعلانات فرمائے۔ مثلاً آپؐ نے ایک بڑی

اہم اور تاریخی بات یہ فرمائی کہ یاد رکھو! جاہلیت کا دور ختم ہو گیا ہے اور اسلام کا دور شروع ہو گیا ہے۔ فرمایا: کل امر الجاهلية موضوع تحت قدمي۔ آج جاہلیت کی ساری قدریں میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ ایک مسئلہ آج کل دنیا میں چلتا ہے روشن خیالی اور تاریک خیالی کا۔ دور علم کا اور دور جاہلیت کا۔ ہمیں تلقین ہوتی ہے کہ دور علم اختیار کریں اور دور جاہلیت چھوڑیں۔ جاہلیت کی بات چھوڑیں اور علم کا راستہ اختیار کریں۔ اب روشن خیالی سے کون انکار کرے گا؟ کوئی عقل مند اور دانش ور آدمی روشن خیالی اور علم کی بات سے انکار نہیں کر سکتا اور جاہلیت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن اصطلاحات کا فرق ہے۔ روشن خیالی کسے کہتے ہیں' تاریک خیالی کسے کہتے ہیں' جاہلیت کا دور کون سا ہے اور علم کا دور کون سا ہے؟ اپنی اپنی اصطلاحات اور تعریفات ہیں۔ دو تین بنیادی فرق ہیں جن کو اس کشمکش میں سمجھنا ضروری ہے اور اس میں بنیادی کردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ادا کرتا ہے کہ آج جاہلیت کی ساری قدریں میرے ان پاؤں کے نیچے ہیں۔

مغرب کی روشن خیالی اور اسلام

مغرب کی روشن خیالی میں اور ہماری روشن خیالی میں تین بنیادی فرق ہیں۔

پہلا بنیادی فرق یہ ہے کہ مغرب کی روشن خیالی کی عمر تقریباً دو یا سوا دو سو سال ہے جبکہ ہماری روشن خیالی کی عمر تقریباً چودہ سو سال ہے۔ مغرب کی روشن خیالی کا آغاز انقلاب فرانس سے ہوتا ہے۔ جب بھی مغرب میں روشن اور تاریک دور کی بات ہوتی ہے تو حد فاصل انقلاب فرانس قرار پاتی ہے۔ مغرب کے ہاں اس سے پہلے کا دور جاہلیت اور جبر کا دور کہلاتا ہے اور اس کے بعد کا دور ترقی اور روشن خیالی کا دور کہلاتا ہے۔ ان سے آپ پوچھ لیں کہ یہ قرون وسطیٰ' قرون مظلمہ' تاریک دور (Dark Ages) کسے کہتے ہیں تو وہ آپ کو بتائیں گے کہ یہ انقلاب فرانس سے پہلے کی دو چار صدیاں ہیں۔ اور انقلاب فرانس اٹھارھویں صدی کے آخر میں ہوا۔ جس طرح مغرب کے حلقوں میں یہ بات معروف ہے کہ فلاں بات تاریک دور کی بات ہے اور فلاں بات روشن دور کی بات ہے' اسی طرح ہمارے ہاں بھی ایک اصطلاح معروف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا کوئی واقعہ ذکر کرنا مقصود ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ دور جاہلیت کی بات ہے۔ تو یہ ٹرمینالوجی ہمارے ہاں

بھی ہے کہ حضورؐ سے پہلے کا دور جاہلیت کا دور تھا اور حضورؐ کے آنے سے علم کا روشنی کا دور شروع ہوا۔

دوسرا بنیادی فرق مغرب کی اور ہماری روشن خیالی میں یہ ہے کہ مغرب نے روشن خیالی کے نام پر جاگیرداری سے نجات حاصل کی بادشاہت سے نجات حاصل کی اور ساتھ ہی ساتھ بائبل اور چرچ سے بھی نجات حاصل کی، یعنی وحی کی بالادستی سے دستبردار ہو گئے اور کہا کہ ہم کسی کی ڈکٹیشن نہیں مانتے' ہم آزاد ذہن سے فیصلے کرتے ہیں۔ مغرب نے اپنے تمام تر فلسفے' عقائد اور فیصلوں کی بنیاد انسانی سوسائٹی کی خواہشات پر رکھی ہے۔ ہر چیز کی بنیاد اس پر ہے کہ سوسائٹی کیا چاہتی ہے۔ جمہوریت تو سوسائٹی کی خواہش معلوم کرنے کا ذریعہ ہے' لیکن اصل بنیاد سوسائٹی کی خواہشات پر ہے۔ سوسائٹی کیا سوچتی ہے اور سوسائٹی کیا چاہتی ہے' یہی حلال وحرام کی بنیاد ہے' یہی جائز ناجائز کی بنیاد ہے اور یہی قانون اور لاقانونیت کی بات ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ مغرب نے آسمانی تعلیمات سے دستبرداری اختیار کی اور انسانی سوسائٹی کی خواہشات کو اپنے تمام تر معاملات کی بنیاد بنایا اور کہا کہ یہ روشن خیالی ہے۔

قرآن کریم نے روشن خیالی کا اور معنی بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے بیسیوں مقامات پر اس کے متعلق بیان فرمایا ہے' لیکن ایک آیت ذکر کرتا ہوں۔ فرمایا: وان احکم بینھم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواء ھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللّٰہ الیک'۔ (المائدہ ۵:۴۹) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک نے حکم دیا کہ لوگوں کے معاملات کو وحی کے مطابق طے کیجیے اور وحی کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی طرف مت دیکھیے۔ مطلق خواہشات کی نفی نہیں ہے۔ ایسی خواہشات کی نفی ہے جو وحی یعنی اللہ کے نازل کردہ احکامات و ہدایات کے مقابلے پر آئیں۔ اگر سوسائٹی کوئی جائز بات چاہتی ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن بالادستی وحی کی ہے۔ فرمایا جہاں 'ما انزل اللّٰہ' اللہ کی ہدایات کا مسئلہ آئے وہاں 'لا تتبع اھوائھم'، ان کی خواہشات کی طرف مت دیکھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ 'واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللّٰہ الیک'، اس بات سے آپ ڈرتے رہیں کہ سوسائٹی کی خواہشات کے پیچھے آپ چلیں گے تو یہ اللہ کے احکام کے بارے میں آپ کو فتنے میں ڈال دیں گے۔

تو ہمارے نزدیک روشن خیالی نام ہے سوسائٹی کی خواہشات سے نکل کر وحی کی پیروی کا، اور مغرب کے نزدیک روشن خیالی نام ہے وحی کے دائرہ سے نکل کر انسانی خواہشات کی پیروی کا۔ چنانچہ جو چیز ہمارے نزدیک علم ہے، مغرب کے نزدیک جہالت ہے اور جو چیز ہمارے نزدیک تاریکی اور جہالت ہے، مغرب کے نزدیک روشن خیالی ہے۔ یہ ایک جوہری فرق ہے مغرب کی اور ہماری اصطلاح میں۔ اور اس بات کا ہم نے بیسیوں بار تجربہ کیا ہے کہ کسی بھی مسلم ملک میں قرآن کریم کے کسی حکم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کے بطور قانون نفاذ کا مطالبہ کیا جائے کہ یہ قرآن پاک کا حکم ہے، اس لیے اسے ملک کا قانون بنایا جائے تو مغرب اور مغرب زدہ حلقوں سے ہمیں ایک بات مشترکہ طور پر جواب میں ملتی ہے کہ یہ لوگ تاریکی کے دور کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں، یہ قرون مظلمہ کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں۔

جاہلی قدروں کی طرف واپسی

ایک اور فرق مغرب اور ہماری روشن خیالی میں یہ ہے کہ جب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا جس کا میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ "کل امر الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی" جاہلیت کی ساری قدریں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جاہلیت کا دور ختم ہوا اور میں جاہلیت کی ساری قدریں اپنے پاؤں کے نیچے روند کر نسل انسانی کو علم کے دور کی طرف لے کر آگے بڑھ رہا ہوں۔ اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے مبارک قدموں کے نیچے کون کون سی قدریں پامال ہوئیں؟ ہمیں اس کا ذرا تجزیہ کر لینا چاہیے کہ وہ کون سی قدریں تھیں جو حضورؐ کے اعلانِ نبوت سے پہلے عرب معاشرہ میں موجود تھیں لیکن اعلانِ تکمیلِ دین تک مٹ چکی تھیں۔

ان قدروں میں ایک قدر تھی شرک۔ یہ بیس سال پہلے پورے عروج پر تھا اور حضورؐ نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو اپنی دعوت کا بنیادی پیغام یہ بتایا تھا کہ: یا ایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا (مسند احمد، رقم ۱۵۴۴۸) لیکن اب جزیرۃ العرب میں کوئی بت خانہ باقی نہیں تھا۔ ایک قدر تھی نسل پرستی۔ عرب معاشرے میں عرب اور عجم، کالے اور گورے کا فرق تھا۔ حضورؐ نے ختم کیا۔

شراب تھی' لاٹری اور جوا تھا' سود تھا' بے حیائی اور زنا تھا' ہم جنس پرستی تھی۔ یہ ساری قدریں بیس سال پہلے اپنے پورے عروج پر تھیں۔ جب حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ساری قدریں میرے پاؤں کے نیچے ہیں تو ان قدروں کا عرب معاشرے میں کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ اور جو سوسائٹی حضورؐ نے متعارف کروائی، وہ حقیقی انسانی قدروں سے مالا مال تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے صرف ان جاہلی قدروں کو ختم کرنے کا اعلان ہی نہیں کیا بلکہ دنیا کو ایک ایسی سوسائٹی بنا کر دکھا دی جس میں شرک' زنا' شراب' سود' ناچ گانا' فحاشی' جوا' نجوم پرستی اور نسل پرستی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اور جب اپنے اعلان نبوت کے بائیس تیئیس سال بعد منیٰ کے مقام پر کھڑے ہو کر حضورؐ نے اپنی دعوت کے نتیجے کا اعلان کیا کہ: کل امر الجاهلية موضوع تحت قدمي تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے جو کام آپ کو دے کر بھیجا تھا' آپ اس میں کامیاب ہو کر جا رہے ہیں۔

تاریخ میں اور کوئی شخصیت شاید آپ کو ایسی نہ ملے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں اپنا کام' اپنا مشن مکمل کر کے جا رہا ہوں۔ تاریخ انسانی میں حضورؐ وہ واحد شخصیت ہیں جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنا مشن پورا کیا۔ نہ صرف پورا کیا بلکہ تکمیل پر اپنے صحابہ کو اس پر گواہ بنایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: وأنتم تسئلون عني۔ قیامت کے روز تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا' اللہ کی عدالت ہوگی تو اللہ تم لوگوں سے پوچھے گا کہ تمہاری طرف ایک پیغمبر کو مشن دے کر' پیغام دے کر بھیجا تھا' اس نے اپنا فرض ادا کیا یا نہیں۔ تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟ اس پر صحابہؓ نے اجتماعی آواز سے کہا: بلغت وادیت ووفیت۔ آپ نے پیغام پہنچا دیا' اور پہنچانے کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ حضورؐ نے اس پر آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: اللّٰھم اشھد، یا اللہ تو بھی گواہ رہنا۔

آج جب ہم روشن خیالی اور تاریک خیالی کی بحث میں پڑتے ہیں تو میں ایک سوال کیا کرتا ہوں کہ مغرب نے روشن خیالی کے نام پر ان قدروں میں کون سی قدر کا اضافہ کیا ہے؟ یہ تو وہی پامال قدریں ہیں جنہیں آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔ میں تو کہتا ہوں کہ مغرب ایک بہت اچھا بیوٹی پارلر ہے جس نے پرانی اور گھسی پٹی قدروں کو

بیوٹی پارلر سے گزار کر نئے میک اپ کے ساتھ دنیا کے سامنے نئی تہذیب بنا کر پیش کر دیا ہے، جبکہ حقیقت میں یہ وہی جاہلیت قدیمہ ہے جو ابو جہل کے حوالے سے منسوب ہو تو وہ جاہلی قدر کہلاتی ہے اور آج مغرب کے حوالے سے منسوب ہو تو اسے آرٹ اور کلچر کا نام دیا جاتا ہے۔

سوسائٹی کی خواہشات یا آسمانی تعلیمات؟

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ایک تاریخی اعلان فرمایا کہ جاہلیت کا دور ختم ہو گیا ہے اور علم کا دور شروع ہو رہا ہے۔ حضورؐ نے علم کس چیز کو قرار دیا؟ وحی کو' آسمانی تعلیمات کو' انبیاء کو' کتاب اللہ اور سنت رسول کو۔ آج بھی دنیا میں جھگڑا اسی بات کا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ کلچرل وار ہے' سولائزیشن کی جنگ ہے اور تہذیب و ثقافت کی جنگ ہے، اصل میں بنیادی اختلاف اسی پر ہے کہ ہم نے اپنی خواہشات پر چلنا ہے یا آسمانی تعلیمات کی بالادستی قبول کرنی ہے۔ اس کو عنوان آپ کچھ بھی دے دیں' جھگڑا اور اصل یہی ہے۔ یہ پچھلے سال کارٹونوں کا مسئلہ چلا تھا۔ ڈنمارک کے صحافی فلیمنگ روز نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر مبنی کارٹون چھاپے تھے' اس پر بڑی بحث چلی تھی اور خود فلیمنگ روز کا ایک بڑا لمبا مضمون چھپا تھا۔ اس مضمون میں چند ایک باتیں اس گفتگو سے متعلق ہیں۔ میں وہ عرض کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ہم میں اور مسلمانوں میں فکری' ثقافتی یا تہذیبی طور پر کیا فرق ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے تو خدا' رسول اور کتاب کا حوالہ اپنے ذہنوں سے اتار دیا ہے۔ ہم کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ بائبل میں کیا لکھا ہے۔ کوئی قانون طے کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ خدا کیا کہتا ہے۔ کوئی بات کہتے وقت عیسیٰ کا حوالہ نہیں دیتے کہ انہوں نے اس بارے میں کیا کہا تھا۔ ہم آزاد ذہن سے فیصلے کرتے ہیں۔ پھر کہا کہ مسلمانوں نے ابھی تک خدا' رسول اور کتاب کا حوالہ اپنے ذہنوں پر مسلط رکھا ہوا ہے۔ یہ فرق ہے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں ایڈجسٹمنٹ نہیں ہو رہی۔

اس کی یہ بات ٹھیک بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان کتنے ہی بے عمل' بدعمل کیوں نہ ہوں لیکن آج کے زمینی حقائق میں یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ ہماری کمٹمنٹ آج بھی قائم ہے۔ خدا اور رسول کا حوالہ ہمارے ذہنوں سے اترا نہیں ہے۔ یہ بات

ہمارے لیے تو خوشی کا باعث ہے، لیکن دنیا کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ اور یہ حوالہ اتنا مضبوط ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں بھی بدعمل سے بدعمل اور بے عمل سے بے عمل مسلمان کو بھی اگر آپ نے مخاطب کرنا ہے تو آپ کو خدا اور رسول کے حوالے سے بات کرنا ہوگی ورنہ آپ کی بات نہیں سنی جائے گی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں بھی وہ لوگ جو سراسر قرآن وسنت کے خلاف بات کرتے ہیں وہ حوالہ خدا اور رسول کا ہی دیں گے۔ وہیں سے کوئی بات تاویل کر کے نکالیں گے۔ اگر یہ حوالہ نہیں دیں گے تو اس معاملہ میں ان کی بات نہیں سنی جائے گی۔

آسمانی تعلیمات کس کے پاس ہیں؟

تو مغربی صحافی نے یہ تشویش ظاہر کی کہ ہم نے تو یہ حوالہ چھوڑ دیا لیکن مسلمان یہ حوالہ کیوں نہیں چھوڑ رہے۔ میں بھی لکھنے پڑھنے کے شعبہ کا آدمی ہوں، کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہوں۔ اس پر میں نے ایک روز سے ایک مضمون میں سوال کیا کہ تمہارے پاس تھا کیا جو تم نے چھوڑا ہے؟ تم کس بات کا رعب جماتے ہو ہم پر؟ تمہاری انجیل دنیا میں اس وقت ہے کہیں؟ تورات کا وجود ہے کہیں دنیا میں؟ چھوڑا کیا ہے تم نے؟ لیکن ہمارے پاس تو کتاب اللہ موجود ہے۔ یہ بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ اور میں ایسے ہی گپ شپ نہیں کر رہا، زمینی حقائق کی بنیاد پر بات کر رہا ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ دنیا کا کوئی یہودی، دنیا کے کسی حصے میں، تورات کے کسی نسخے پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہے کہ یہ وہ تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور دنیا کا کوئی عیسائی، دنیا کے کسی حصے میں، انجیل کے کسی نسخے پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہے کہ یہ وہ انجیل ہے جو عیسیٰ علیہ والسلام پر نازل ہوئی تھی، کوئی یہودی، کوئی عیسائی یہ ہمت نہیں کر سکتا۔ اور دنیا کا ہر مسلمان، دنیا کے کسی بھی خطے میں، قرآن کریم کے کسی بھی نسخے پر ہاتھ رکھ کر پوری تسلی کے ساتھ یہ کہہ دے گا کہ یہ وہ قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو یہ موجود ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ

اسی طرح آج کل ایک فلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بن رہی ہے۔ ایک فلم اس سے پہلے بھی بن

چکی ہے۔ اس فلم کے حوالے سے دنیا میں ایک بحث چلی۔ ایک مغربی دانشور نے سوال کیا کہ بھئی عیسیٰ پر فلم تو تم نے بنالی مواد کہاں سے لیا؟ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے لکھا ہے کہ ہمارے پاس عیسیٰ کی حیات پر چند واقعات سے زیادہ کوئی مستند مواد نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایک مستند حوالہ تصور کیا جاتا ہے۔ تو اس مغربی دانشور نے یہ حوالہ دے کر سوال اٹھایا کہ تم نے فلم تو بنالی لیکن مواد کہاں سے لائے ہو؟

الحمدللہ ہم مسلمانوں کے پاس حضرت عیسیٰ پر اس سے کہیں زیادہ مواد موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا خاندانی پس منظر ہم جانتے ہیں' ان کی والدہ کب اور کیسے پیدا ہوئیں' پرورش کہاں ہوئی' ہم جانتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کہاں ہوئی' کیسے ہوئی' بچپن میں کیا کرتے تھے' جوانی میں کیا کرتے تھے بلکہ یہاں تک جانتے ہیں کہ اب کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ اور جب دنیا میں ان کا دوبارہ نزول ہوگا تو تب وہ یہاں آ کر کیا کریں گے۔ ہم تو یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ فلاں مسجد کے مینارہ پر نازل ہوں گے' فلاں شہر میں آئیں گے اور آ کر اس دنیا میں کتنا عرصہ رہیں گے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کی شادی کہاں ہوگی' کس قبیلے میں شادی ہوگی' بچے کتنے ہوں گے۔ بچے پیدا نہیں ہوئے لیکن نام ہمیں معلوم ہیں' ان کی وفات کہاں ہوگی اور پھر وہ کہاں دفن ہوں گے۔ ان کی قبر مبارک کی جگہ ہم نے محفوظ رکھی ہوئی ہے اور اس کے اوپر یہ کتبہ درج ہے کہ: ھذا موضع قبر النبی عیسٰی ابن مریم علیھما الصلوۃ والسلام ۔ چنانچہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان سے کہیں زیادہ اور مستند مواد کے ساتھ جانتے ہیں۔

میں عرض کر رہا تھا کہ فلیمنگ روز نے جب یہ کہا کہ ہم نے خدا' رسول اور کتاب کا حوالہ ذہنوں سے اتار دیا ہے تو میں نے جواب میں کہا کہ میرے بھائی' ہم پر رعب کس بات کا جماتے ہو تمہارے پاس چھوڑنے کو تھا کیا؟ لیکن ہمارے پاس تو یہ سب موجود ہے۔ قرآن کریم بھی مکمل' کسی اشتباہ کے بغیر' کسی ابہام کے بغیر اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ' آپ کے ارشادات عالیہ' آپ کے فرمودات' آپ کی تعلیمات اصل حالت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم حضور کی حیات مبارکہ کے کسی حصے کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں' ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں

ہے۔ بس تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے۔

میں ایک بات آپ کے علم کے لیے عرض کر دوں کہ جن دنوں یہ بات چل رہی تھی تو میرے ذہن میں ایک خیال آیا حضور کی حیات مبارکہ کے بارے۔ کہ سال بہ سال تفصیلات ہمارے پاس ریکارڈ پر موجود ہیں کہ پہلے سال کیا ہوا تھا دوسرے سال کیا ہوا تھا' تیسرے سال کیا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کوئی اللہ کا بندہ ہمت کرے کوشش کرے تو ماہ بہ ماہ تفصیلات بھی مرتب ہو سکتی ہیں۔ مواد تو ہمارے پاس ہے بس محنت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک اشتہار آ گیا۔ لاہور میں سید قاسم محمود ہیں شاہکار انسائیکلو پیڈیا والے۔ بڑا کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ اشتہار یہ تھا کہ ہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر ماہ بہ ماہ تفصیلات مرتب کر لی ہیں۔ یہ تین ہزار صفحہ کی کتاب ہے جو دو مہینوں میں مارکیٹ میں آ جائے گی۔

مغرب کی ایک فضول خواہش

تو میں نے فلیمنگ روز کے جواب میں لکھا کہ تمہارے پاس تھا کیا جو تم نے چھوڑا جبکہ ہمارے پاس تو یہ موجود ہے۔ اس پر میں نے ایک لطیفہ لکھا کہ دو دوست آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ اللہ تمہیں اگر دو گاڑیاں دے دے تو تم کیا کرو گے؟ دوسرے نے کہا' ایک تمہیں دے دوں گا۔ پہلے نے پھر کہا' تمہیں اللہ دو مکان دے دے تو کیا کرو گے؟ دوسرے نے کہا' ایک تمہیں دے دوں گا۔ پہلے نے کہا' اگر اللہ تمہیں دو گائیں دے دے تو کیا کرو گے؟ دوسرے نے جواب دیا' بھائی صاحب' وہ میرے پاس پہلے سے موجود ہیں، ان پر نظر مت رکھو۔

تو بھئی ہمارے پاس وحی بھی ہے' قرآن کریم بھی ہے' حضور کی تعلیمات بھی ہیں' بالکل اصل حالت میں ہیں' کسی شبہ کے بغیر ہیں۔ اگر دنیا کا کوئی آدمی ہم سے یہ توقع رکھتا ہے کہ ہم چھوڑ دیں گے تو بہت بڑا بے وقوف ہے۔ اسے اپنی عقل کا علاج کروانا چاہیے۔ ذرا خود سوچیے کہ جو لوگ واشنگٹن میں' ماسکو میں' لندن میں بیٹھ کر سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک ایک جزو کو بیان کرتے اور سنتے سناتے ہیں' حضور کا ایک ایک ارشاد نقل کرتے ہیں' ان سے کوئی یہ توقع رکھے کہ وہ یہ سب کچھ چھوڑ دیں گے تو اس سے

بڑا بے وقوف کون ہوگا۔

بات میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اعلانات میں ایک بہت بڑا اعلان کیا کہ: کل امر الجاهلية موضوع تحت قدمي۔ جاہلیت کی ہر قدر آج میرے پاؤں کے نیچے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تہذیبی کشمکش میں 'ثقافتوں کی جنگ میں' اور دور جاہلیت و دور علم کی نشان دہی میں حضور کا یہ ارشاد بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور ہمارے لیے راہ نما ہے۔ اسی سے ہم رہنمائی حاصل کریں گے۔

یہی بات جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد فاصل قرار دیا' حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے اسی حوالے سے ہمیں ایک تنبیہ فرمائی۔ بظاہر ہم سنتے سناتے رہتے ہیں' لیکن جب اس کے پس منظر میں یہ بات دیکھیں گے تو بات ٹھیک طور پر سمجھ میں آئے گی۔ فرمایا: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض' لا ترجعوا بعدي ضلالاً يضرب بعضكم رقاب بعض۔ گویا آپ فرما رہے ہیں کہ تمہیں دور جاہلیت سے نکالنے کے لیے میں نے بڑی محنت کی ہے بڑے مقابلے کیے ہیں' بڑی تکالیف اٹھائی ہیں۔ وہ کفر' ضلالت اور گمراہی کا دور تھا' اس دور کی طرف کہیں واپس نہ چلے جانا۔ اس کی سب سے بڑی علامت کیا ہوگی؟ دور جاہلیت کی اقدار میں سب سے مکروہ قدر کی نشان دہی کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا: يضرب بعضكم رقاب بعض۔ ایک دوسرے کی گردنیں مارنا نہ شروع کر دینا۔ فرمایا کہ ایسا کرنا جاہلیت کے دور کی طرف واپس جانا ہوگا اور اس امت پر اس کیفیت کو امت پر خدا کے عذاب کی سب سے خوفناک شکل قرار دیا۔

قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے: قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم او من تحت ارجلكم او يلبسكم شيعاً ويذيق بعضكم بأس بعض (الانعام ۶:۶۵) آپ ان سے کہہ دیجیے میں کئی قسم کے عذاب نازل کیا کرتا ہوں۔ اوپر آسمان سے بھی اور نیچے زمین سے بھی۔ پہلی امتوں پر یہ عذاب آتے رہے ہیں۔ آسمان سے پتھر برسے ہیں اور زمین پر زلزلے اور سیلاب آئے ہیں۔ عذاب کی کئی شکلیں ہیں۔ ایک شکل اس آیت

میں یہ بیان فرمائی کہ تمہارے لیے یہ عذاب بھی ہو سکتا ہے کہ خود تمہیں ایک دوسرے کے لیے عذاب بنادوں۔ عذاب کی سب سے خوفناک صورت ہے کہ نہ اوپر سے عذاب آئے نہ نیچے سے بلکہ 'او یلبسکم شیعاً'۔ تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے 'ویذیق بعضکم بأس بعض'۔ اس کا محاورے کا ترجمہ میں نے یہ کیا ہے کہ تمہیں خانہ جنگی' باہمی قتل اور خونریزی کی صورت میں ایک دوسرے کے لیے عذاب بنادے۔ فرمایا یہ جاہلیت کے دور کی طرف واپس جانا ہوگا۔

خدائی عذاب کی عملی صورتیں

صحیح مسلم (رقم ۵۱۴۵) کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پر خدا کا عذاب نازل ہوگا تو عذاب کی وہ صورتیں نہیں ہوں گی جو پہلی امتوں پر تھیں۔ نجی طور پر ہوں گی لیکن اجتماعی طور پر پہلی امتوں جیسا عذاب نہیں آئے گا۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! میری امت ساری کی ساری قحط سالی سے برباد نہ ہو جائے۔ اللہ نے کہا' نہیں ہوگی۔ پھر درخواست کی' یا اللہ! میری امت یک بارگی پانی میں غرق ہونے تباہ نہ ہو جائے۔ اللہ نے کہا' نہیں ہوگی۔ پھر درخواست کی' یا اللہ! میری امت آپس میں نہ لڑے۔ اللہ نے کہا' ایسا تو ہوگا۔ اس امت کی بداعمالیوں کا عذاب یہی ہوگا۔ یہ لڑیں گے اور دنیا تماشا دیکھے گی۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں انصاف کے بجائے ظلم عام ہو جائے گا تو خدا کا عذاب آئے گا تو 'کان البأس بینھم' (السنن الکبریٰ، رقم ۶۱۹۱) یعنی خدا کے عذاب کی صورت یہ ہوگی کہ آپس میں خانہ جنگی ہوگی۔ آپس میں خون بہائیں گے' نسل پر' رنگ پر' پیسے پر' علاقہ پر' زبان پر' پتہ نہیں کس کس چیز پر لڑیں گے۔

عذاب کی ایک دوسری شکل بعض روایات میں یہ آئی ہے کہ جب امت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیا جائے گا تو سوسائٹی پر خدا کے عذاب کی عملی شکل یہ ہوگی کہ: 'لیؤمرن علیکم شرارکم ثم یدعو خیارکم فلا یستجاب لکم' (مسند احمد، رقم ۲۲۲۲۳) امت کے شریر لوگ چن چن کر امت پر مسلط کر دیے جائیں گے یعنی امت کی قیادت شرفاء کے ہاتھ میں نہیں ہوگی، اور پھر امت کے نیک لوگ دعائیں کریں گے' لیکن ان کی دعائیں بھی قبول نہیں

ہوں گی۔

چنانچہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت کے خاتمے کا اور دورِ علم کے آغاز کا اعلان فرمایا' وہاں یہ بھی فرمایا کہ دیکھنا کہیں میرے بعد کفر کے دور کی طرف واپس نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنا شروع کردو۔ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہنا' یہ تمہارے لیے روشنی کا راستہ ہے علم کا راستہ ہے اور انسانیت کا راستہ ہے۔

ختم نبوت کا اعلان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک اعلان یہ فرمایا:

لا نبی بعدی و لا امة بعدکم فاتقوا اللّٰہ واعبدوا ربکم وصلّوا خمسکم وصوموا شهرکم واذوا زکوة اموالکم طیبة بها انفسکم وتحجّون بیت ربکم واطیعوا امرائکم تدخلوا جنة ربکم۔

''میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

فرمایا: 'ایھا النّاس' اے لوگو! 'انہ لا نبی بعدی ولا امة بعدکم'۔ یاد رکھو میں آخری نبی ہوں' میں آخری پیغمبر ہوں' میرے بعد قیامت تک کوئی نہیں آئے گا۔ اور تم انبیا کی امت میں سے آخری امت ہو تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بنیادی عقیدہ قرار دیا۔ عقیدہ ختم نبوت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی پر نئی وحی' نبوت نہیں آئے گی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی یہ اعلان فرمایا گیا اور دیگر بہت سے ارشادات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ میرے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ تکمیل دین کا معنی ہی یہ ہے۔ فرمایا: 'الیوم اکملت لکم دینکم'۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تمہارے لیے نعمت تمام کر دی۔ اس کے بعد اب کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی اور وہی وحی قیامت تک حجت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے اس کو واضح کیا۔ فرمایا انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی اور میری مثال یہ ہے کہ جیسے ایک عمارت بن رہی ہے ایک ایک اینٹ رکھی جا رہی ہے اور عمارت مکمل ہو گئی ہے لیکن آخر میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں: فانا اللبنة وانا خاتم النبیین (بخاری رقم ۳۲۷۱) گویا جس اینٹ کے ساتھ نبوت کی عمارت مکمل ہوئی ہے وہ آخری اینٹ میں ہوں میرے بعد اب اس میں کسی نئی اینٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ فرمایا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری رسول ہوں آخری پیغمبر ہوں اور تم امتوں میں سے آخری امت ہو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا اس پر مستقل رسالہ ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ ختم نبوت کا جن ارشادات میں ذکر کیا ہے وہ روایات انہوں نے اس رسالہ میں جمع کی ہیں اور مجموعی طور پر یہ ایک سو سے زیادہ روایات ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری نبی ہونے کا اور اس عقیدہ کا ذکر فرمایا کہ میرے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔

آپ حضرات اس حوالہ سے اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ کر لیں کہ کہیں تھوڑا سا اشتباہ بھی اگر ہوا ہے کہیں ابہام پیدا ہونے کا کوئی امکان ظاہر ہوا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہاں وضاحت کی ہے۔ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دیا کہ میرے ساتھ چلو اور نہ جانے والوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ لیکن اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ آپ پیچھے رہیں گے۔ حضرت علیؓ کے لیے حکم تھا کہ ساتھ نہیں جانا۔ حضرت علیؓ بڑے پریشان ہوئے کہ عرب کی حدود سے باہر یہ پہلا معرکہ ہے اور میں اس میں شریک نہیں ہوں گا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہم نے زیادہ دیر باہر رہنا ہے اور پیچھے کے معاملات ایسے ہیں کہ میرے گھر کا بھی کوئی آدمی معاملات سنبھالنے کے لیے رہنا چاہیے۔ ویسے حضورؐ نے مدینہ منورہ کا امیر عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم کو بنایا تھا۔ اس غزوہ میں مہینہ جانے میں لگا مہینہ وہاں رہے اور مہینہ واپسی میں لگا۔ تو حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ پیچھے رہیں۔ اور حضرت علیؓ درخواست کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! خود آپ جہاد پر جا رہے ہے

ہیں اور مجھے بچوں میں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو حضورؐ نے ایک جملہ فرمایا: 'اما ترضی أن تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی'۔ علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تیرا میرا وہی تعلق ہو جو موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کا تھا؟ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر جاتے تھے تو پیچھے اپنا قائم مقام ہارون علیہ السلام کو بنا کر جاتے تھے۔

اب یہاں سے ایک ہلکا سا خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام تو پیغمبر تھے۔ حضورؐ نے فوراً ساتھ ہی کہہ دیا: الا انه لیس نبی بعدی (بخاری، ۴۰۶۴) نبوت نہیں ملے گی بھائی' نبوت میرے بعد کوئی نہیں ہے۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اس مسئلے کی حساسیت دیکھئے' ذرا سا شبہ آیا ذہن میں کہ ہارون علیہ السلام تو پیغمبر تھے اور جناب نبی کریم حضرت علیؓ کو ہارونؑ سے تشبیہ دے رہے ہیں' تو شبہ دور کرنے کے لیے ساتھ ہی فرما دیا کہ الا انه لیس نبی بعدی۔ میرے بعد نبی کوئی نہیں آئے گا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار ارشادات میں اس بات کی وضاحت کی اور یہاں بھی اعلان فرمایا کہ لا نبی بعدی و لا امة بعدکم۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں' یہی امت قیامت تک چلے گی۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ایک اور انداز سے تعبیر کیا۔ ایک موقع پر ہاتھ کی دو انگلیوں کو جوڑتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: بعثت انا والساعة کھاتین (بخاری ۶۰۲۳) میں اور قیامت یوں ہیں' درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں' میرے بعد بس قیامت ہے' میرا دور جب ختم ہوگا تو کسی اور کا دور اب نہیں آئے گا' بس قیامت آئے گی۔ گویا آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہوں۔ آخری نبی میں ہوں اور اس کے بعد قیامت ہے' درمیان میں کوئی اور نبی نہیں۔

آج کل کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ End of the history ہم ہیں' ہم پر تہذیب مکمل ہو رہی ہے' ہم آخری دور ہیں۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ نہیں بھئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ End of the history میں ہوں۔ تاریخ کا آخری دور میں ہوں' آخری مرحلہ میں ہوں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں' میں عرض کیا کرتا ہوں کہ مغرب کا آخری تہذیب ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں

ہے۔ آخری تہذیب ہم ہیں۔ البتہ ہمارا ایک راؤنڈ ہو چکا ہے اور دوسرا راؤنڈ ابھی باقی ہے۔

اس ارشاد کے ساتھ پھر حضورؐ نے یہ فرمایا: الا، خبردار۔ اتقوا اللّٰہ، اللہ سے ڈرتے رہو۔ واعبدوا ربکم، اپنے رب کی عبادت کرو۔ صلوا خمسکم، پانچ نمازیں پابندی سے پڑھو۔ صوموا شھرکم، اس مہینے کے روزے رکھو۔ ادوا زکوۃ اموالکم، اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو۔ آگے پھر ایک جملے کا اضافہ فرمایا: طیبۃ بھا انفسکم، جب تم اپنے مال کی زکوۃ دو تو تمہارا دل اس کے دینے پر خوش ہو، میں اللہ کی بارگاہ میں اپنے مال سے زکوۃ کا حصہ پیش کر رہا ہوں، ایسے بوجھ سمجھ کر مت دو کہ جیسے یہ ڈنڈ پڑ گئی ہے اور مجبوری سے دے رہے ہیں۔ تحجون بیت ربکم، اپنے رب کے گھر کا حج ادا کرو۔ تو اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آ گئے۔ توحید بھی، نماز بھی، روزہ بھی، حج بھی اور زکوۃ بھی۔ پھر فرمایا: اطیعوا ولاۃ امرکم، جو تمہارے اولوالامر ہیں، اسلام کی رو سے جو تمہارے حاکم ہیں ان کی اطاعت کرو۔ تدخلوا جنۃ ربکم، یہ کام اگر تم کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

گویا اسلام کا خلاصہ حضورؐ نے ان جملوں میں ارشاد فرمایا۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرو، اس مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو، بیت اللہ کا حج کرو اور دین کے مطابق حکومت کرنے والے اپنے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کرو، تو یہ اعمال تمہارے جنت میں داخلے کا سبب بن جائیں گے۔

نسلی اور لسانی تفاخر کا خاتمہ

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم اعلانات فرمائے اس میں ایک اعلان یہ بھی تھا کہ جاہلیت کے دور میں عرب معاشرہ نسل، زبان اور رنگ کے تفاخر کا معاشرہ تھا۔ قریش غیر قریشیوں کو برابر نہیں سمجھتے تھے۔ عرب غیر عربوں کو برابر نہیں سمجھتے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی ہے۔ بے شک اس پر جتنی مرضی لیپا پوتی کی جائے، لیکن رنگ اور نسل کی بنیاد پر تفاخر اور برتری کا یہ جذبہ آج بھی صاف جھلکتا ہے نظر آتا ہے۔ ہمارے درمیان بھی ہے، باقی دنیا میں بھی ہے۔ علاقائی سطح پر بھی ہے، عالمی سطح پر بھی ہے۔ یہ بات اس زمانے میں عروج پر تھی۔ آپ اس سے اندازہ کیجیے

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کے بعد جب کعبہ کا کنٹرول سنبھالا' چابیاں منگوائیں' کعبہ کو بتوں سے پاک کیا' تو حضورؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔

یہ اعلان ایک طوفان تھا اس معاشرہ میں' کہ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے! بلالؓ ایک تو آزاد کردہ غلام ہیں' ایک کالے رنگ کے ہیں' عربی نہیں ہیں' حبشی ہیں' یہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑا ہو کر اذان دے گا! وہاں طوفان مچ گیا۔ لیکن اعلان چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو کس کی مجال ہے کہ کچھ کہے۔ لیکن ایک قریشی سردار نے یہ منظر دیکھا تو اس نے کہا' اس کا جملہ تاریخ والے یوں نقل کرتے ہیں کہ "اے میرے باپ' تو بڑا خوش قسمت ہے' کہ تو یہ منظر دیکھنے کے لیے آج زندہ نہیں ہے۔" بعد میں یہ قریشی سردار صحابیؓ ہو گئے۔ لیکن اس وقت جب یہ منظر دیکھا تو کہتے ہیں کہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور اپنے باپ کا نام لے کر کہا کہ میرے باپ تو بڑا خوش قسمت ہے' اس منظر کو دیکھنے سے پہلے دنیا سے چلا گیا۔ تو یہ منظر دیکھنے کے لیے زندہ نہیں ہے' کہ ایک کالے رنگ کا آدمی' غیر عرب' حبشی بیت اللہ کی چھت پر کھڑا ہے اور اللہ کا نام بلند کر رہا ہے۔

عام رواج یہ تھا کہ قریش اور غیر قریش کا خون برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ قریشی اگر کسی غیر قریشی کو قتل کر دیتا تو جواب میں قریشی قتل نہیں ہوتا تھا۔ اور غیر قریشی اگر کسی قریشی کو قتل کرتا تو بدلے میں دو آدمی قتل ہوتے۔ اور پھر عرب و غیر عرب کا بھی فرق تھا۔ عربوں کو اپنی زبان پر بڑا فخر تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی زبان واقعی فخر کی چیز ہے۔ لیکن اتنا بھی فخر کیا کہ دوسروں کو گونگا ہی کہنا شروع کر دیں۔ عجمی کا معنی گونگا ہے۔ یعنی عجمی کہتے تھے' کہ یہ گونگے ہیں' ان کو زبان نہیں آتی۔ عرب فصیح کو کہتے ہیں۔ عرب کا لفظی معنی فصیح' بلیغ' عمدہ گفتگو کرنے والا۔ اور عجمی کا معنی گونگا کہ جس کے منہ میں زبان نہ ہو' جو بول نہ سکتا ہو تو باقی ساری دنیا کو وہ عجمی کہتے تھے' کہ زبان اگر ہے تو ہمارے پاس ہے۔ چنانچہ یہ لسانی تفاخر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ پر اس رسم کو ٹوڑا' سب کو برابر کھڑا کیا۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی تاکید فرمائی۔ فرمایا' یاد رکھو! ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم من آدم وآدم من تراب' لا فضل

لعربی علی عجمی' ولا لاحمر علی اسود او کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ فرمایا' میں آج تمام قسم کے نسلی ولسانی تفاخرات کا خاتمہ کرنے کا اعلان کر رہا ہوں' تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے' اور کسی سرخ کو کالے پر فضیلت نہیں ہے۔ صرف یہ اعلان نہیں فرمایا بلکہ ایک ایسی سوسائٹی قائم کی کہ واقعتاً لوگوں نے دیکھا کہ یہ سارے امتیازات ختم ہو گئے تھے۔

اہل علم کا ادب واحترام

تابعین میں ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں عطاء ابن ابی رباحؒ۔ بڑے محدث ہیں' بڑے فقیہ ہیں' بڑے امام ہیں۔ وہ غلاموں کے خاندان سے تھے اور آزاد کردہ غلام تھے' سیاہ رنگ کے تھے۔ کہتے ہیں کہ شکل زیادہ مناسب نہ تھی اور یہ کہ ناک ایسے تھی جیسے لوبیہ ہوتا ہے۔ سلیمان ابن عبدالملک' اس زمانہ میں خلیفہ تھے آدھی دنیا کے حکمران' حج پر آئے۔ عطاء ابن ابی رباحؒ مکہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ بڑے بڑے علما بھی مسئلہ پوچھتے تو ان سے پوچھتے تھے کہ حضرت' یہ مسئلہ کیا ہے۔ فقہا بھی مسئلہ پوچھتے تو ان سے پوچھتے۔ ایک موقع پر عطاء ابن ابی رباحؒ نماز پڑھ کر بیٹھے تھے اور سلیمان ابن عبدالملک کو دو تین مسئلے پوچھنے تھے۔ امیر المومنین' خلیفۃ المسلمین کو حج کے مسئلے پر دو چار باتیں پوچھنی تھیں۔ اپنے بیٹوں کو لے کر آیا' آ کے بیٹھا۔ حضرت نماز سے فارغ ہوئے اور ایسے ہی بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر پوچھا' جی فرمایئے! امیر المومنین صاحب نے مودب بیٹھے ایک مسئلہ پوچھا' دوسرا پوچھا۔ جب مطلوبہ مسئلے پوچھ لیے اور اٹھ کر جانے لگے تو اپنے بیٹوں سے کہا' بیٹو! علم حاصل کرو' یہ علم ہی ہے جس کی وجہ سے مجھے اس کالے کے سامنے ذلیل ہونا پڑا۔ یہ علم ہی ہے جس نے اس کو یہ مقام بخشا کہ میں امیر المومنین ہو کر اس کے سامنے مودب ہو کر بیٹھنا پڑا۔ تو بیٹوں سے کہا کہ علم حاصل کرو' علم انسان کے عیوب پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ یہ صرف علم ہی ہے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ایسی سوسائٹی دنیا میں قائم کی کہ جہاں عطاء ابن ابی رباحؒ کے سامنے امیر المومنین سلیمان ابن عبدالملک کو بھی مودب ہو کر بیٹھنا پڑتا تھا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ امام مالکؒ بڑے لوگوں میں سے تھے' بہت بڑے امام تھے۔ ہارون الرشید کا زمانہ تھا' اس نے امام مالکؒ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ سے شاگردی کا شرف حاصل

کرنا چاہتا ہوں' تو کبھی آپ تشریف لائیں اور مجھے کچھ پڑھا دیں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا' نہیں بھائی! آپ امیر المومنینؒ ہیں' قابل احترام ہیں' لیکن میں کسی کے ہاں پڑھانے نہیں جاتا۔ فرمایا' پڑھنا ہے تو یہاں آ جائیے۔ پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا پڑے گا اور کلاس میں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا پیغام بھیجا کہ حضرت ٹھیک ہے میں حاضر ہوتا ہوں' لیکن بہرحال کچھ پروٹوکول تو چاہیے' امیر المومنین ہوں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا' جب آؤ گے' جہاں جگہ ہو گی وہیں بیٹھنا پڑے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ ہارون الرشید اپنے بیٹے مامون اور امین کے ساتھ آیا تو مجلس میں پیچھے جگہ ملی' وہاں بیٹھا' حدیثیں سنیں' اور پھر یہ کہا کہ میں خود کو اس بات کا اہل نہیں سمجھتا کہ روایت حدیث میں اپنے آپ کو راوی شمار کروں' لیکن اس عظیم المرتبت شخصیت کا شاگرد ہونے کے لیے میں نے یہ کیا ہے۔ بہرحال بڑے لوگ تھے وہ' اچھے لوگ تھے۔ یہ صرف اس لیے کیا کہ مجھے شاگردی کا شرف حاصل ہو جائے کہ حدیث کی کسی سند میں' کسی کونے میں میرا نام بھی لکھا جائے کہ یہ فلاں محدث کا شاگرد ہے اور فلاں حدیث روایت کرتا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے جتنے امتیازات تھے وہ ختم کیے اور حجۃ الوداع کے موقع پر خاص اس کا اعلان فرمایا' قرآن پاک میں بھی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(الحجرات ۴۹: ۱۳)

"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبائل اور برادریوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔"

قرآن پاک نے بنیادی اصول بیان فرمایا کہ دیکھو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا' آدم اور حوا سے۔ ہاں قبائل اور برادریاں ہم نے بنائی ہیں تعارف کے لیے' پہچان کے لیے۔ قبائل کا' ان کی شاخوں کا' خاندانوں کا وجود بھی ہے' قوموں کا وجود بھی ہے' لیکن تفاخر کے لیے نہیں' تعارف

کے لیے ہے۔ اگر یہ فطری تقسیم نہ ہو تو مشکل ہو جائے۔ اگر یہ پہچان نہ ہو کہ یہ امریکی ہے یہ افریقی ہے یہ فلاں نسل کا ہے یہ فلاں قوم کا ہے تو پھر نمبر لگانے پڑیں گے جو مشکل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایسا کیا ہے، قبائل بھی درست ہیں، برادریاں بھی درست ہیں لیکن ان کا مقصد صرف باہمی تعارف ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یہ عزت اور افتخار کی بنیاد نہیں ہے۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم۔ اللہ کے ہاں عزت کس کی ہے؟ تقویٰ کی۔ تقویٰ کو یوں سمجھ لیجیے کہ اللہ کے ہاں عزت کریکٹر کی ہے، کردار کی ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی ہے۔

اسلام عزت کی بنیاد رنگ، نسل، علاقے اور زبان کو قرار نہیں دیتا۔ آدمی ذرا توجہ سے پڑھے تو قرآن پاک کی ساری باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ آپ صرف ایک بات سے اندازہ کر لیجیے کہ لقمان علیہ السلام سوڈانی تھے اور جھونپڑی میں رہنے والے غریب آدمی تھے، سیاہ رنگ کے تھے۔ کوئی بڑے سردار نہیں تھے، لیکن قرآن پاک میں پوری سورت ان کے نام پر اتاری گئی اور قرآن کریم نے بڑے مزے مزے سے ان کے واقعات ذکر کیے ہیں۔ ولقد اتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للّٰہ (لقمان ۳۱:۱۲) اور فرمایا: اذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ یا بنی لا تشرک باللّٰہ، ان الشرک لظلم عظیم (لقمان ۳۱:۱۳) اور دوسری طرف دیکھیں کہ ابولہب جو خاندان اور رشتہ کے لحاظ سے حضور کا چچا ہے۔ اس سے بڑا خاندان کیا ہو گا دنیا میں۔ کائنات میں اس سے زیادہ معزز خاندان کون سا ہو گا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے۔ اور مال کا ذکر بھی قرآن پاک نے کیا: ما اغنی عنہ مالہ و ما کسب (اللھب ۱۱۱:۲) بڑا مال تھا اس کے پاس، کسی کام نہیں آیا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس کی بیوی ام جمیل جب زیورات پہن کر بیٹھتی تھی تو زیورات کے بوجھ سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ عورتیں سہارا دے کر اٹھایا کرتی تھیں۔ اور حسن کا اندازہ کیجیے کہ ابولہب اس کی کنیت تھی۔ نام عبد الشمس تھا، ابولہب نہیں تھا۔ لہب شعلے کو کہتے ہیں۔ اس کے رخسار شعلے کی طرح چمکتے تھے جس کی وجہ سے ابولہب کا لقب ملا، یعنی شعلے جیسے رخساروں والا۔ خوبصورت بھی ہے، مال بھی ہے، مکہ میں رہتا ہے، مکہ کے مجاوروں میں سے ہے، خاندان بھی بڑا ہے، لیکن قرآن پاک نے کیسے ذکر کیا: تبت یدا ابی لھب وتب۔ قرآن کریم نے معیار بتا دیا کہ لقمان علیہ السلام اگر

تقویٰ کے معیار پر پورا اترتے ہیں تو وہ حکمت والے ہیں اور ابولہب اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو لعنت کا مستحق ہے اور اللہ پاک کی طرف سے غضب کا مستحق ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس اصول کی بطور خاص وضاحت فرمائی۔ فرمایا: ایھا الناس! ان ربکم واحد، اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ وابا کم واحد، اور تمہارا باپ بھی ایک ہے آدم کی اولاد ہو سارے۔ الا لا فضل لعربی علی عجمی، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے۔ ولا لعجمی علی عربی، اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں ہے۔ ولا لأسود علی احمر، کسی کالے کو سرخ پر فضیلت نہیں ہے۔ ولا لأحمر علی اسود، کسی سرخ کو کالے پر فضیلت نہیں ہے۔ ہاں، الا بالتقوٰی۔ وہی جو قرآن پاک نے بتایا: ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات ۴۹: ۱۳) کہ ایمان، تقویٰ، کردار اور عمل صالح کی بنیاد پر فضیلت ہے۔ ایک اور جگہ پر قرآن کریم یہ ذکر کرتا ہے کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین (التین ۹۵: ۴، ۵) کہ احسن تقویم بھی یہی ہے اور اسفل سافلین بھی یہی ہے۔ سب سے اوپر کا نمبر بھی اسی کا ہے اور سب سے نیچے کا نمبر بھی اسی کا ہے۔ لیکن کس بنیاد پر؟ ایمان، تقویٰ، کردار اور عمل صالح کی بنیاد پر۔

انتقام در انتقام کی قبائلی رسم کا خاتمہ

پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جاہلیت کے دور کے خاتمے کا اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی رسمیں میں نے ختم کر دی ہیں۔ ایک عمومی اعلان تھا کہ کل أمر الجاھلیة موضوع تحت قدمی۔ جاہلیت کی ساری قدریں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ لیکن دو کا آپؐ نے بطور خاص ذکر کیا۔ فرمایا: دماء الجاھلیة موضوعة، جاہلیت کے دور میں جو بدلے اور خون کا رواج تھا وہ میں نے ختم کر دیا ہے۔ قبائل میں بدلہ در بدلہ کا رواج تھا۔ قبائل میں یوں ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کا آدمی قتل ہوا تو بدلے میں قاتل قبیلہ کا آدمی قتل ہوگا اور ضروری نہیں کہ قاتل ہی قتل ہو، بس اس قبیلہ کا کوئی آدمی مارا جائے گا۔ وہ مرا ہے تو اب پھر اس پہلے قبیلہ کا آدمی مرے گا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

حرب بعاث دو قبیلوں کی ایک مشہور جنگ تھی جو ایک سو بیس سال چلتی رہی۔ بات شروع کہاں سے ہوئی تھی؟ کہتے ہیں بات یہاں سے شروع ہوئی کہ ایک آدمی کا درخت تھا جس پر کبوتری نے گھونسلا بنا رکھا تھا انڈے دے رکھے تھے تو کسی نے اسے پتھر مار کر گھونسلہ اور انڈے توڑ دیے۔ پہلے آدمی نے کہا کہ اچھا! میری زمین پر میرے درخت پر اس نے یہ کر دیا' یہ تو میری توہین ہوئی ہے۔ کبوتری کا انڈا نہیں ٹوٹا' یہ تو میری تو ناک کٹ گئی ہے۔ یہ ناک بڑی خطرناک شے ہے۔ اس نے پتھر مارنے والے کو قتل کر دیا۔ بس پھر دونوں کے قبائل کے درمیان ایک سو بیس سال تک جنگ رہی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بڑی عجیب بات فرماتی ہیں کہ اوس اور خزرج کے درمیان کئی نسلوں تک جنگ رہی ہے۔ یہ دونوں انصار کے قبیلے تھے' انہوں نے ایک دوسرے کے جوان قتل کر دیئے' بہت بربادی ہوئی۔ پھر تنگ آ کر بڑے بوڑھے اکٹھے ہوئے کہ بھائی کوئی راستہ نکالو آخر ہم کب تک لڑیں گے۔ اب جب اس طرح کی جنگ ہو تو پھر آپس میں ایک دوسرے پر اتفاق نہیں ہوتا۔ طے ہوا کہ کوئی تیسرا آدمی تلاش کیا جائے جس پر ہم دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اوس اور خزرج کے لوگوں کو حج کے موقع پر منیٰ میں ان کے خیموں میں دعوت دینے آئے تو انہوں نے آپس میں کھسر پھسر کی اور کہا کہ بھئی، یہ آدمی ٹھیک ہے۔ ان کو جگہ کی ضرورت ہے' ہمیں آدمی کی ضرورت ہے۔ تو یہ تھی شروعات۔ حضور طائف کے واقعہ کے بعد اس تلاش میں تھے کہ مجھے کوئی ٹھکانہ ملے تو میں وہاں اپنا مرکز بناؤں۔ یعنی کوئی قبیلہ ہامی بھرے تو میں وہاں جاؤں اور اس کے لیے آپ خیموں میں جا کر مختلف قبائل کو دعوت دے رہے تھے۔ ادھر اوس اور خزرج اس تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا آدمی ملے جس پر ہم اکٹھے ہو جائیں۔ چنانچہ یہ دو باتیں اکٹھی ہو گئیں اور ان قبائل نے کہا کہ ہم تیار ہیں' آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ پھر اگلے سال بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی' پھر اس سے اگلے سال بیعت عقبہ ثانیہ' پھر سارے معاہدات ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ہجرت کر جائیں۔

حضرت عائشہ ان واقعات کی حکمت اور اس کے فلسفہ پر ایک خوبصورت تبصرہ کرتی ہیں۔ یہ بھی ایک مستقل موضوع ہے یعنی علم اسرار دین۔ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ جنگ بعاث میں اوس اور خزرج

کے بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے تھے اور انصار مدینہ انتشار و افتراق کا شکار تھے، لیکن یہ جنگ نتیجہ بن گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ (بخاری، رقم ۳۳۹۳) اگر یہ جنگ نہ ہوتی 'یا اسباب پیدا نہ ہوتے تو انصار حضور کو دعوت نہ دیتے اور یہ صورت حال پیدا نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے حالات اس جنگ کے ذریعے سے پیدا کیے کہ حضورؐ یہاں تشریف لائے۔ تو یہ حکمت کی بات ہے کہ بظاہر ایک واقعہ بڑا ہی خوفناک ہوتا ہے، لیکن اللہ رب العزت اس کے اندر سے کوئی خیر نکال لیتے ہیں۔

میں اس پر بات کر رہا تھا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بدلہ در بدلہ کا رواج تھا۔ یہاں تک کہ مائیں اپنے بچوں کو لوریاں دے دے کر سبق پڑھایا کرتی تھیں کہ تمہارے باپ کا قاتل فلاں ہے' تم نے بڑے ہو کر اس کا بدلہ لینا ہے۔ یعنی لوریوں میں یہ انہیں بتایا کرتی تھیں کہ تمہارے باپ کو فلاں نے قتل کیا' تمہارے دادا کو فلاں نے قتل کیا' تمہارے چچا کو فلاں نے قتل کیا' اس لیے فلاں کا بدلہ بھی تمہارے ذمہ ہے فلاں کا بدلہ بھی تمہارے ذمہ ہے۔ اور ہمارے ہاں آج بھی دیہات اور قبائل میں یہ رواج موجود ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: دماء الجاهلية موضوعة، جاہلیت کے سارے خون' بدلے آج میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ آج کے بعد پرانے کسی قتل پر کوئی کسی سے بدلہ نہیں لے گا۔ کہیں تو آخر بریک لگنی تھی' معاملہ کبھی صاف ہونا تھا۔ فرمایا' پچھلے جتنے بدلے تمہارے آپس میں تھے سب ختم۔ اور فرمایا' میں اپنے گھر سے شروع کر رہا ہوں۔ ربیعہ ابن حارث کا بیٹا بچپن میں کسی خاندان میں دودھ پینے کے لیے بھیجا ہوا تھا تو وہاں کسی نے قتل کر دیا۔ قبائلی روایت کے مطابق اس کا بدلہ لینا ان کے ذمے تھا۔ فرمایا' میرے گھر کا بچہ قتل ہوا تھا اور قبائلی روایات کے مطابق ہمارے ذمہ اس کا بدلہ بنتا ہے' لیکن میں اس کو ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ چنانچہ میں پہلے اپنے گھر کا خون معاف کرتا ہوں اور پھر تمام خونوں کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ آج کے بعد پچھلے کسی قتل کے حوالے سے کوئی کسی سے بدلہ نہیں لے گا۔ فرمایا جاہلیت کی یہ قدر میں توڑنے کا اعلان کرتا ہوں۔

سود کا خاتمہ

دوسری جاہلی قدر جس کا حضورؐ نے بطور خاص ذکر کیا' وہ سود ہے۔ فرمایا: وربا الجاهلية

موضوع۔ جاہلیت میں تم سود کا لین دین کرتے تھے میں اس کے خاتمے کا اعلان کر رہا ہوں۔ فرمایا جس کے ذمے کسی کی کوئی رقم ہے اس کو اصل رقم ملے گی سود نہیں ملے گا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا: یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وذروا ما بقی من الرّبٰوا ان کنتم مومنین (بقرہ۲: ۲۷۸) آج بھی دنیا میں یہ بڑی بحث ہے۔ قرآن کریم نے اس وقت جب اس کی حرمت کا اعلان کیا تو اس وقت بھی اس پر بڑا مباحثہ ہوا۔ کہا گیا کہ جناب یہ تو بزنس ہے۔ قالوا انما البیع مثل الرّبٰوا (بقرہ۲: ۲۷۵) سود میں اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ یہ بھی بزنس ہے کاروبار کی ایک شکل ہے کہ چیزیں نہ بیچیں پیسہ بیچا۔ اس وقت بھی یہی دلیل پیش ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بھئی، احل اللّٰہ البیع وحرم الرّبٰوا۔ بزنس حلال ہے سود حرام ہے۔ یہ ذکر کر کے قرآن کریم نے پھر دو ٹوک کہا کہ نہیں یہ بزنس نہیں ہے یہ بزنس سے الگ چیز ہے۔ اس وقت بھی یہ بحث چلی تھی۔

طائف والوں کی شرطیں

ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہے جو سیرت کی تقریباً تمام کتب میں موجود ہے کہ طائف والے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو اس پس منظر میں آئے کہ فتح مکہ کے بعد حنین کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور پھر طائف کا معرکہ پیش آیا۔ طائف کا حضورؐ نے سترہ دن تک محاصرہ کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو محاصرہ اٹھا کر واپس آنا پڑا۔ طائف والے بڑے خوش کہ یہ ہمیں فتح نہیں کر سکے اور یہ بات درست بھی تھی۔ طائف والوں کا اپنا وفد مدینہ منورہ گیا کہ جناب آپ تو ہمیں فتح نہیں کر سکے ہم خود کلمہ پڑھنے آگئے ہیں، لیکن ہماری کچھ شرطیں ہیں۔ گھمنڈ پیچھے یہ تھا کہ ہم فتح نہیں ہو سکے اس لیے ہم برابر کی سطح پر شرطوں پہ بات کریں گے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اور دیگر سیرت نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ طائف والوں نے کہا کہ ہم کلمہ تو پڑھیں گے لیکن ہماری کچھ شرطیں ہیں۔ ان شرطوں میں چار بڑی شرطیں تھیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ جناب آپ شراب کو حرام کہتے ہیں ہم شراب نہیں چھوڑ سکتے اور دلیل دی کہ ہماری معیشت کا

مسئلہ ہے۔ آج بھی طائف کی بڑی پیداوار انگور ہے۔ کہا کہ ہمارے ہاں انگور پیدا ہوتا ہے۔ انگور کچی مارکیٹ میں پھینکیں تو کچھ خاص نہیں معاوضہ ملتا۔ نچوڑ کر پکا کر دیتے ہیں تو چار پیسے نکل آتے ہیں۔ دلیل دی کہ یہ ہمارا کاروبار ہے' اس کے بغیر ہمارا سال نہیں گزرتا۔ کچا انگور کتنے پیسے کمائے گا؟ پھر آپ کہتے ہیں کہ سود حرام ہے۔ ہمارا تو سارا کاروبار سود پر چلتا ہے' سود نہیں چھوڑ سکیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں زنا حرام ہے۔ یہ بھی ہم سے نہیں چھوٹے گا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمارا کلچرل مسئلہ ہے' ہم میں شادیاں بہت دیر سے کرنے کا رواج ہے' گزارا نہیں ہوتا' اس لیے ہم زنا بھی نہیں چھوڑیں گے۔ پھر ایک بات اور کہ ہم نماز پڑھیں گے تو سہی لیکن اتنے ٹائٹ شیڈول کے ساتھ نہیں۔ اوقات اور تعداد ہم اپنی مرضی سے منتخب کریں گے۔ نماز سے انکار نہیں' لیکن یہ پانچ وقت کی نماز کی پابندی ہم سے نہیں ہو سکتی۔ ہم خود اپنی سہولت سے اس کا انتخاب کر لیں گے کہ کب پڑھنی ہے اور کتنی پڑھنی ہے۔ تو یہ شرطیں ہیں ہماری۔ اگر آپ ان شرطوں کو قبول کرتے ہیں تو ہم اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں' آپ ہمیں کلمہ پڑھا دیجیے۔ پانچ وقت کی نماز کی پابندی نہیں ہوگی' شراب نہیں چھوڑیں گے' زنا نہیں چھوڑیں گے اور سود نہیں چھوڑیں گے۔ باقی جو بھی آپ کلمہ پڑھا دیجیے جو آپ نے پڑھانا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ (شبلی نعمانی، سیرت النبی ۳۳/۲) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مکہ میں اسلام مختلف ہو اور ستر میل کے فاصلے پر طائف میں اسلام بالکل مختلف ہو' کہ مکہ میں تو سود حرام ہو اور طائف میں حلال ہو۔ اور یہ کہ مکہ میں پانچ نمازیں ہوں اور طائف میں تین ہوں۔ مکہ میں شراب حرام ہو اور طائف میں حلال۔ فرمایا نہیں' بھئی کوئی شرط قبول نہیں ہے۔

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ طائف والوں کی شرطیں تھیں۔ ذرا دیکھیے کہ ہماری آج کی شرطیں کیا ہیں۔ سوسائٹی میں اسلام کو بحیثیت سسٹم قبول کرنے میں ہماری آج کی شرطیں بھی یہی ہیں۔ نماز میں رعایت کر دو' باقی معاملات میں بھی دنیا کے ساتھ چلو تو باقی کا اسلام ہمیں قبول ہے۔ تو یہ معاملات جو آج چل رہے ہیں یہ حضورؐ کے زمانے میں بھی ایسے ہی چلتے رہے ہیں۔ شرطوں والے بھی اور دلیلوں والے بھی اور بزنس والے بھی سارے معاملات چلتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے

باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں صاف اعلان فرمایا: ربا الجاهلية موضوع، جاہلیت کے تمام سود ختم۔ آج کے بعد جو بھی اس معاملہ میں ہے صرف اصل رقم کا حق دار ہے سود کی رقم ختم۔

یہاں بھی فرمایا کہ میں اپنے گھر سے آغاز کر رہا ہوں۔ حضرت عباسؓ سود کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کا کاروبار ہی یہ تھا کہ سود پر لوگوں کو رقمیں دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں کے ذمے ان کی رقمیں تھیں۔ فرمایا میں عباسؓ کی سود کی ساری رقمیں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ میرے چچا عباس جو مکہ میں سود کا کاروبار کرتے تھے ان کی رقمیں جن کے ذمے ہیں ان کے ذمہ سود نہیں ہوگا صرف اصل رقم واپس ہوگی۔

باقی جاہلیت کی باتیں تو حضورؐ نے عمومی اعلان سے ختم کیں، لیکن یہ دو تین باتیں بطور خاص نامزد کر کے ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔

شیطان کا مورچہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک اعلان یہ بھی فرمایا کہ الا وان الشيطان قد ايس ان يعبد فى بلادكم هذه ابدا۔ شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ ان شہروں میں یعنی جزیرۃ العرب میں اب کبھی بھی اس کی عبادت کی جائے اس کا حکم مانا جائے۔ جزیرۃ العرب ہمیشہ توحید کے دائرہ میں رہے گا۔ شیطان نے ہی یہ سارا کھیل رچا رکھا تھا۔ مکہ کے گرد اور بیت اللہ میں یہ بتوں کی موجودگی اور یہ ساری جاہلی قدریں شیطان ہی کا کاروبار تھا۔ لیکن فرمایا کہ وہ بالکل بے دخل نہیں ہوگا۔ عبادت اس کی نہیں ہوگی، یہ جزیرۃ العرب توحید پر قائم رہے گا، لیکن شیطان بالکل بے دخل نہیں ہوگا۔ دو باتوں میں گڑبڑ کرے گا۔ ولكن ستكون له طاعة فيما تحقرون من اعمالكم وسيرضى۔ شیطان اپنی باتیں منوائے گا بظاہر چھوٹے چھوٹے کاموں میں جن کو تم بہت حقیر سمجھو گے، اور شیطان تم سے وہ کام کروا کر خوش ہوگا۔ توحید اور عقیدے کی بات میں تم اس کے پیچھے نہیں چلو گے، لیکن چھوٹے چھوٹے کاموں میں شیطان تم سے اپنی بات منوائے گا۔ یہ تو ہے ترمذی کی روایت میں، اور مسند احمد کی روایت میں ہے: لكن فى التحريش

بینکم، شیطان ایک بات میں تو ضرور کامیاب ہوگا کہ وہ تمہیں آپس میں لڑائے گا ایک دوسرے پر ابھارے گا۔ عقیدہ تمہارا نہیں بگاڑ سکے گا، لیکن ایک کو دوسرے پر ابھارے گا' برانگیختہ کرے گا ایک دوسرے کے ساتھ لڑائے گا' خانہ جنگی ہوگی' خون بہایا جائے گا۔ یہ شیطان کے میدان ہوں گے۔ فرمایا' شیطان شکست کھا چکا ہے لیکن آرام سے نہیں بیٹھے گا۔ تو حضورؐ نے خبردار کیا کہ اس سے بچ کر رہنا۔

جان ومال کی حرمت

بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں کھڑے تھے' قربانی کا دن تھا یوم النحر تھا۔ آپ نے پوچھا: ای شهر هذا، یہ کون سا مہینہ ہے؟ جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: اللّٰہ ورسولہ اعلم ۔ پتہ تو ان کو تھا کہ مہینہ کون سا ہے۔ صحابہؓ کا معمول تھا کہ حضورؐ کوئی سوال کرتے تو پہلے مرحلے پر جواب یہی ہوتا تھا کہ اللّٰہ ورسولہ اعلم، کہ اللہ بہتر جانتا ہے اور اللہ کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا' یہ حج کا مہینہ نہیں ہے؟ کہا یارسول اللہ! ہاں حج کا مہینہ ہے۔ آپ نے پوچھا: ای یوم هذا، آج کا دن کون سا ہے؟ کہا: اللّٰہ ورسولہ اعلم ۔ فرمایا' کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟' کہا' یارسول اللہ! ہاں قربانی کا دن ہے۔ ای بلد هذا، یہ شہر کون سا ہے؟ کہا: اللّٰہ ورسولہ اعلم۔ فرمایا' الیس البلد، یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ کہا' یارسول اللہ! بلدۃ الحرام ہی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حرمتوں کا حوالہ دیا۔ بسا اوقات بات کی اہمیت بیان کرنے کے لیے آدمی پہلے ذہنی طور پر تیار کرتا ہے۔ شہر محترم ہے' مہینہ حرمت والا ہے اور دن حرمت والا ہے۔

پھر فرمایا: ان دمائکم واموالکم واعراضکم وابشارکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا۔ تمہارے خون' تمہارے مال' تمہاری عزتیں اور تمہارے چمڑے ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن کی' اس شہر کی اور اس مہینہ کی حرمت ہے۔ دمائکم، تمہارے خون ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جس طرح تم اس دن کی' اس شہر کی اور اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ کرتے ہو اسی طرح ایک دوسرے کی جان کی

حفاظت کرو۔ واموالکم، تمہارے اموال بھی ایک دوسرے پر محترم ہیں' تم کسی کے مال پر ہاتھ نہیں ڈالو گے۔ جس طرح جان کی ایک دوسرے پر حرمت ہے اسی طرح مال کی حرمت بھی ہے۔ چوری' ڈکیتی' دھوکہ یعنی کوئی بھی شکل مال کو ہڑپ کرنے کی اختیار نہیں کرو گے۔ واعراضکم، تمہاری عزتیں بھی ایک دوسرے پر محترم ہیں۔ جس طرح کسی دوسرے کی جان و مال پر دست درازی حرام ہے' اسی طرح کسی دوسرے کی عزت پر ہاتھ ڈالنا بھی حرام ہے۔ اس کی لمبی تفصیل ہے کہ کسی کی عزت پر حملہ نہیں کرو گے' کسی کو بے عزت نہیں کرو گے' کسی کا مذاق نہیں اڑاؤ گے' کسی کو گالی نہیں دو گے' کسی کی توہین نہیں کرو گے۔ یہ ساری باتیں اس میں شامل ہیں۔ تو فرمایا جس طرح مکہ' حج کے دن اور حج کے مہینہ کا احترام کرتے ہو، اسی طرح ایک دوسرے کی عزت کا احترام کرو۔

وابشارکم، تمہارے چمڑے ایک دوسرے پر حرام ہیں۔

یہ سارے جملے بخاری کی روایت میں ہیں۔ جس طرح کسی کی جان لینا جائز نہیں، اس طرح کسی کو تھپڑ مارنا بھی جائز نہیں۔ بلا جواز کسی کو چھڑی مارنا بھی جائز نہیں' بلا جواز کسی پر ہاتھ اٹھانا بھی جائز نہیں۔ فرمایا یہ چاروں چیزیں تم پر حرام ہیں۔ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ سے خطاب کیا۔ فرمایا' اے اللہ کے گھر! تو اللہ کے ہاں بہت محترم ہے' لیکن ایک مسلمان کے خون کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰۹۶۶۔ المعجم الاوسط، ۵۷۱۹) گویا بیت اللہ کا گرانا اور مسلمان کا خون بہانا برابر ہے۔

یہ بات سمجھانے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ حجر اسود کے پاس آئے' اسے بوسہ دیا اور سامنے کھڑے ہو کر کہا: تو محض ایک پتھر ہے، تیرے پاس نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں تمہیں بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو میں تمہیں کبھی نہ چومتا۔ (بخاری، رقم ۱۴۹۴) پتھر کو کچھ کہنا مقصود نہیں تھا۔ دراصل یہ بات سمجھانے کا ایک انداز ہوتا ہے۔ مقصد تھا ارد گرد کے لوگوں کو بات سنانا تھا کہ لوگوں کا عقیدہ درست رہے۔

تو یہ بھی حجۃ الوداع کے موقع کا ایک بہت اہم اعلان ہے کہ ایک دوسرے کی جان کی' مال کی'

عزت کی اور ایک دوسرے کے چمڑے کی حفاظت کرو۔ کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ' کسی کا مال نہ ہضم کرو' کسی کو قتل نہیں کرو' کسی کی عزت خراب نہیں کرو۔ فرمایا' یہ تمہارے آپس کے حقوق ہیں۔

قیامت کے دن کی حاضری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وانتم تسئلون عنی، کہ کل قیامت کے روز تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اللہ پوچھے گا کہ میں نے پیغمبر بھیجا تھا' اس نے کیا کیا۔ تم لوگ کیا کہو گے؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بلغت و ادیت و نصحت، آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے' حق ادا کیا ہے اور خیر خواہی کی ہے۔ کہا' اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔

پھر فرمایا کہ ایک سوال تمہیں خود تمہارے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ ستلقون ربکم ویسئلکم عن اعمالکم۔ رب کے سامنے پیش ہونا ہے' یعنی اللہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا کہ تم کیا کر کے آئے ہو بھئی۔ پیغمبر نے کیا کیا تھا' یہ بھی سوال ہو گا اور تم اسی کیا کر کے آئے ہو دنیا میں' یہ بھی پوچھا جائے گا۔ اور اسی سے تو یہ سوال تو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان اللہ کے دربار میں پیش ہو گا' اس وقت تک قدم آگے نہیں اٹھا سکے گا جب تک ان سوالوں کا جواب نہیں دے گا: عن عمرہ فیم افناہ کہ میں نے تمہیں عمر دی تھی۔ میں نے تمہیں ساٹھ' ستر' بہتر سال کی زندگی دی تھی' کیا کیا اس کا؟ وعن شبابہ فیم ابلاہ، میں نے تمہیں جوانی دی تھی' جوانی کی صلاحیتیں کدھر خرچ کیں؟ ومالہ من این اکتسبہ وفیم انفقہ' اور میں نے تمہیں مال دیا تھا' رزق بھی دیا تھا' تھوڑا زیادہ جتنا بھی دیا تھا' لیکن دیا تھا' وہ کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ وماذا عمل فی ما علم۔ اور جتنا علم اس کو حاصل تھا' اس پر کتنا عمل کیا۔ (ترمذی، رقم ۲۳۴۰) تو یہ سوال پوچھے جائیں گے۔ زندگی کے بارے میں پوچھا جائے گا اور جوانی کے بارے میں بالخصوص پوچھا جائے گا کہ جوانی کے ساتھ کیا کیا۔

فرمایا: انکم ستلقون ربکم، تم اپنے رب کے سامنے پیش ہو گے۔ کائنات کی ہر چیز مل سکتی ہے' لیکن رب کا سامنا نہیں ٹل سکتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے' جس کو کوئی جھٹلائے' تب سامنا ہو گا

اور نہ ماننے تب سامنا ہوگا۔ وتسألون عن اعمالکم، اور اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اپنے اعمال کو سیدھا رکھو تا کہ کل اللہ کا سامنا کر سکو اور سوال کا جواب دے سکو جو پیش تمہاری صحیح ہو۔

سوسائٹی کے کمزور طبقوں کے بارے میں وصیت

ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں دو کمزوروں 'دو ضعیفوں کے بارے میں بطور خاص وصیت کرتا ہوں کہ ان کے حقوق کا خیال کرنا کیونکہ وہ اپنا حق اپنے طور پر وصول کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ایک یتیم اور دوسرا عورت۔ فرمایا' یہ دو کمزور ہیں میں ان کے حقوق کے بارے میں تمہیں بطور خاص وصیت کرتا ہوں۔ فاتقوا اللّٰہ فی النساء، عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ عورتوں کے حوالے سے بھی اور یتیموں کے حوالے سے بھی۔ اور تیسرا طبقہ جس کے بارے میں فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں غلاموں کے بارے میں' ماتحتوں کے بارے میں۔ اس زمانے میں غلام ہوتے تھے۔ آج بھی ہیں لیکن ذرا عنوان بدل گئے ہیں۔ فرمایا کہ میں غلاموں کے بارے میں بطور خاص وصیت کرتا ہوں کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت جو معاشرہ تھا اس میں یہ تینوں طبقے فی الواقع مظلوم تھے۔ اور یہ آج بھی مظلوم ہیں' ذرا پہلو بدل گئے ہیں' رخ بدل گئے ہیں' حوالے بدل گئے ہیں' لیکن ہیں سہی۔ قرآن کریم نے بھی یتیم اور عورت کا ذکر کیا ہے۔

یتیموں کی حالتِ زار

اس سوسائٹی کو سمجھنے کے لیے قرآن کے حوالے سے ایک بات میں ذرا تفصیل سے بیان کروں گا۔ حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زبیرؓ کے بیٹے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے بھی تھے اور شاگرد بھی' بلکہ علمی جانشین تھے۔ میں نے پہلے بھی کسی جگہ ذکر کیا تھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علوم کو امت تک منتقل کرنے والے تین بڑے آدمی ہیں۔ ایک ان کے بھتیجے' قاسم ابن محمدؒ۔ دوسرے ان کے بھانجے' عروہ ابن زبیرؒ۔ تیسری

خاتون ہیں عمرہ بنت عبدالرحمٰن جن کو حضرت عائشہؓ کی اصل جانشین سمجھا جاتا ہے۔ بڑی محدثہ اور فقیہ تھیں۔ تو عروہؓ شاگرد بھی تھے اور بھانجے بھی۔ حضرت عائشہؓ کی گود میں پلے ہیں بیٹوں کی طرح۔ عروہؓ بہت سے حوالوں سے اپنے سوالات کا ذکر کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی کسی آیت کو سمجھنے میں کوئی اشکال ہوتا تو حضرت عائشہؓ سے پوچھتے کہ امّاں جان! یہ آیت سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ان میں سے ایک آیت کا میں اس وقت تذکرہ کروں گا۔

عروہؓ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، میں نے امّاں جان سے پوچھا۔ یہ سورۃ النساء کی آیت ہے: وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلاث وربٰع (النساء ۴: ۳) اس کا ترجمہ یوں ہے: وان خفتم، اگر تمہیں خوف ہو۔ الا تقسطوا فی الیتامٰی، کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکو گے۔ فانکحوا، پس نکاح کرو۔ ما طاب لکم من النساء، جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں۔ مثنٰی وثلاث وربٰع، دو دو، تین تین، چار چار۔ عروہؓ کہتے ہیں کہ میں نے امّاں جان سے پوچھا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے کہ یتیموں سے اگر انصاف نہ کرسکو تو شادیاں کرو؟ اس بات کا آپس میں کیا جوڑ ہے؟ جبکہ آیت کی ترتیب یہی ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکو گے تو شادیاں کرو۔ دو شادیاں کرو، تین کرو، چار کرو۔ ان دونوں جملوں کا آپس میں ربط کیا ہے؟ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کا شادیوں کے ساتھ کیا تعلق؟ عروہؓ کہتے ہیں میں نے خالہ محترمہ امّاں جان کی خدمت میں یہ اشکال پیش کیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا بیٹا! بات یہ ہے کہ جب تک اس معاملے کا تمہیں پس منظر پتہ نہ چل جائے، یہ آیت تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔

گفتگو کا یہ اصول صرف قرآن کریم ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں گفتگو جب تک وہ اس کے بیک گراؤنڈ میں نہ دیکھی جائے، اس وقت تک اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ یعنی بات کہاں اور کس ماحول میں کہی گئی ہے۔ گفتگو کو اس کے اصل پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے ورنہ بسا اوقات بات سمجھ میں نہیں آتی اور آدمی الجھن کا شکار ہو جاتا

ہے۔ ہم دنیا کی اصطلاحات میں اسے پس منظر اور ماحول یعنی بیک گراؤنڈ کہتے ہیں جبکہ قرآن کریم کی تفسیر کی اصطلاح میں اسے شانِ نزول کہتے ہیں۔ مثلاً یہ آیت کب نازل ہوئی تھی، کیوں نازل ہوئی تھی اور وہ مسئلہ کیا تھا جو اس آیت کے نزول کا سبب بنا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: چونکہ اس آیت کا پس منظر تمہارے سامنے نہیں ہے اس لیے تمہیں یہ آیت سمجھنے میں دقت پیش آ رہی ہے۔ پھر اس کے پس منظر کی وضاحت کی۔ فرمایا: قبائل کا سسٹم تھا۔ جیسا کہ قبائلی نظام میں ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کا سردار اپنے قبیلے کے تمام معاملات کا مختار اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ ہوتا یہ تھا کہ کوئی شخص فوت ہو جاتا اور اس کی بچی یتیم ہو جاتی تو اس کا فیصلہ بھی خاندان کا سردار ہی کرتا۔ بچی کا باپ اگر جائیداد وغیرہ چھوڑ جاتا یا یہ کہ بچی خوبصورت ہوتی تو سردار کی نیت خراب ہو جاتی تو وہ اس بچی کو اپنے حرم میں ڈال لیتا، یہ کہہ کر کہ میں اسے اپنے نکاح میں لیتا ہوں، لیکن اپنے سرپرست ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے مہر اور دیگر حقوق میں اس کی حق تلفی کرتا۔ سورۃ النساء کی اس آیت میں قرآن کریم نے دراصل اس بات پر پابندی لگائی۔ فرمایا: یتیم بچی ہے اگر تم انصاف کر سکتے ہو تو منع نہیں ہے، لیکن اگر انصاف نہیں کر سکتے تو ان بچیوں کو خواہ مخواہ اپنے حرم میں ڈال کر انہیں ان کے حقوق سے محروم نہ کرو۔ (بخاری، ۲۳۱۴)

چار سے زیادہ بیویاں

اس کے علاوہ بیویوں کی تعداد پر بھی کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ کئی سرداروں نے تو سو سو بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دس، بیس، پچاس، سو تو سرداروں کے پاس ہوتی تھیں۔ اب جہاں بیس پچیس بیویاں ہوں گی آپ خود اندازہ کر لیں کہ ان کے حقوق کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ نہ تو انہیں حقوق مل رہے ہیں اور نہ آزادی! وہ بس ایسے ہی اس کے حرم میں پڑی ہیں۔ اس لیے پابندی لگا دی گئی کہ چار سے زیادہ عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے۔ یہ چار کی حد اجازت کے لیے نہیں ہے بلکہ چار سے زیادہ کی ممانعت کے لیے ہے۔ چنانچہ جب یہ حکم نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا کہ جس کے پاس چار سے زیادہ ہیں وہ انہیں فارغ کر دے۔ ایک صحابیؓ کی پانچ تھیں، اس نے ایک فارغ کر دی۔ ایک کے پاس دس تھیں، چھ فارغ کر دیں۔

اب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ مسئلہ پیش آ گیا کہ حضورؐ کے پاس نو تھیں۔ یہ بھی ایک بہت بڑا سوال ہے کہ باقیوں سے تو حضورؐ نے چار سے زیادہ چھڑوا دیں لیکن خود کیوں نہیں چھوڑیں۔ نو کی نو رکھیں اور کسی کو طلاق نہیں دی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حکم مختلف تھا۔ حکم یہ تھا کہ جناب اس کے بعد آپ نیا نکاح نہیں کر سکتے لیکن ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ لا یحل لك النساء من بعد ، اس کے بعد آپ کوئی نکاح نہیں کر سکتے۔ ولا ان تبدل بھن من ازواجھم ولو اعجبك حسنھن (احزاب ۳۳: ۵۲) اور گنتی برقرار رکھنے کے لیے کسی کو چھوڑیں گے بھی نہیں کہ ایک کو چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کر لیا۔ یہ دو پابندیاں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر لگا دیں اور اس بات کی وجہ قرآن کریم ہی سے اشارتاً سمجھ میں آتی ہے۔ باقی لوگوں نے جو چار سے زائد چھوڑیں ان کا بعد میں کہیں نہ کہیں نکاح ہو گیا۔ لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ٹائٹل کیا ہے؟ امہات المومنین۔ یہ مومنوں کی مائیں ہیں اور ان کے لیے حکم یہ ہے کہ ولا ان تنکحوا أزواجه من بعده ابداً (احزاب ۳۳: ۵۳) حضور کے بعد کوئی اور ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔ باقیوں کے لیے تو چھوڑ دینا عزت افزائی تھی اور ان کا نکاح کہیں اور ہو گیا۔ حضورؐ اگر پانچ کو چھوڑ دیتے تو وہ کدھر جاتیں؟ کوئی ان سے نکاح تو کر نہیں سکتا تھا کہ مائیں ہیں۔ تو حضورؐ کے لیے حکم تھا کہ ان ازواج مطہرات کو نہ چھوڑیں تا کہ ان کا اعزاز و احترام برقرار رہے۔

خیر میں یتیم کے حوالے سے بات کر رہا تھا کہ یتیم اس زمانے میں بھی ایک مظلوم طبقہ تھا اور آج بھی ہے۔ یتیم اس حوالے سے بھی یتیم طبقہ ہے کہ وہ بڑوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا ولی دیانت دار ہے، ایمان دار ہے تو یتیم کو وراثت کا حصہ بھی پورا ملے گا جو کہ بہت کم ملتا ہے، اس کی جائیداد کی حفاظت بھی ہوگی، اس کی تعلیم و تربیت بھی ہوگی۔ لیکن اگر ولی کی نیت میں کھوٹ ہے تو سارے معاملات گڑبڑ ہو جاتے ہیں اور عام طور پر یہ گڑبڑ ہو جاتے ہیں۔

وراثت کے احکام

جاہلیت کے زمانے میں وراثت کے حصے متعین نہیں ہوتے تھے۔ مرنے والے کی مرضی ہوتی تھی کہ اپنی وصیت میں جس کو جتنا مرضی دے جاتا۔ اگر کسی کو نہ دے کر جاتا تو قبائل کا عام رواج یہ تھا

کہ اس کا سارا مال بڑے بیٹے کے قبضہ میں آ جاتا۔ حتیٰ کہ یہ بھی ہوتا تھا کہ باپ کی منکوحہ بھی بڑے بیٹے کے قبضہ میں آ جاتی تھی۔ یعنی باپ نے کہیں نکاح کیا، بعد میں فوت ہو گیا تو اس کی منکوحہ بڑے بیٹے کے نکاح میں خود بخود آ جاتی تھی کہ یہ وراثت میں ہے۔ اس لیے ایک تو قرآن کریم نے یہ کیا کہ وراثت کے حصے متعین کر دیے۔ بیوی کا بھی، بچوں کا بھی، ماں باپ کا بھی۔ قرآن کریم کا پہلا حکم بھی یہ تھا کہ مرنے والا مرنے سے پہلے وصیت کر جائے کہ کس کو کتنا حصہ دینا ہے۔ یعنی وراثت کی تقسیم میں اس کا اختیار تھا کہ کس کو کتنا حصہ دیتا ہے۔ لیکن بعد میں قرآن کریم نے حصے متعین کر دیے اور فرما دیا کہ یہ طے شدہ بات ہے اس میں کسی کو رد و بدل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

وراثت کا مسئلہ اس زمانے میں بھی نازک تھا اور آج بھی ہے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرد یا عورت ساٹھ سال تک عبادت کرتے ہیں، اللہ کی بندگی میں گزارتے ہیں اور آخر وقت میں وصیت میں گڑبڑ کر کے اپنے رشتہ داروں میں سے کچھ کو محروم کر دیتے ہیں اور ساٹھ سال کی عبادت کے باوجود جہنم ان کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔ (ترمذی، رقم ۲۰۴۳) کیونکہ اگر قرآن کریم کے مقرر کردہ حصوں سے ہٹ کر وصیت کریں گے تو کسی نہ کسی کا حق تو مارا ہی جائے گا۔ تو قرآن کریم نے یتیموں کو یہ تحفظ دیا اور ساتھ ہی یہ تلقین و تنبیہ بھی فرمائی: ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً (نساء ۴:۱۰) جو لوگ ظلم و زیادتی سے یتیم کا مال کھاتے ہیں، اپنے پیٹ میں روٹی کا لقمہ نہیں ڈالتے بلکہ آگ کے انگارے ڈالتے ہیں۔

اس مسئلے کی حساسیت کا آپ اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک دفعہ اپنے ایک بیمار دوست کی بیمار پرسی کے لیے گئے۔ حال احوال پوچھ رہے تھے۔ ہوا یہ کہ وہ کافی زیادہ بیمار تھا، آپ کے بیٹھے بیٹھے ہی فوت ہو گیا۔ یہ اس کی بیمار پرسی کر رہے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ وہاں ایک دیا جل رہا تھا۔ امام صاحب نے پھونک مار کر بجھا دیا۔ اپنی جیب سے ایک آدمی کو پیسے دیے کہ جاؤ بازار سے دیا لے کر آؤ اور یہاں جلاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ کہنے لگے کہ بھئی بات یہ ہے کہ جب تک یہ زندہ تھا، ہم اس کے مہمان تھے اور یہ دیا اس کی ملکیت تھی۔ اس کے مرنے

کے بعد یہ اس کی ملکیت نہیں رہا بلکہ ورثا میں مشترک ہو گیا ہے۔ میں مشترک مال بغیر اجازت کے استعمال نہیں کرتا۔ جب تک اس کی سانس باقی تھی، یہ دیا اس کی ملک میں تھا۔ جیسے ہی اس کی سانس اکھڑی، یہ اس کی ملک سے نکل گیا اور اب یہ تمام وارث رشتہ داروں کا حق ہے۔ اور مشترک مال کے لیے شرط ہے کہ سب کی اجازت ہو تو استعمال ہو سکتی ہے۔ اس لیے میں اس دیے کی روشنی میں نہیں بیٹھنا چاہتا اور میں نے اپنا دیا الگ منگوایا ہے۔

یہ فتویٰ کی بات نہیں ہے بلکہ احتیاط کی بات ہے کہ جو لوگ اس معاملہ کی حساسیت سمجھتے تھے، وہ کس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے۔ لیکن ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے؟ کوئی بیچارہ فوت ہو جائے تو ہم کتنا کتنا عرصہ وہاں سے اٹھتے ہی نہیں اور مشترک مال کو استعمال میں لاتے ہیں جو کہ مرنے والے کی ملکیت میں نہیں رہا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بات خاص طور پر ارشاد فرمائی کہ میں تمہیں دو کمزوروں کے بارے میں بطور خاص وصیت کرتا ہوں: ایک یتیم کے بارے میں اور دوسرا عورت کے بارے میں۔

عورت کی مظلومیت

عورت کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ اس زمانے میں بھی تھا اور آج بھی مختلف حوالوں سے ہے۔ میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور اس مسئلہ کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ عورت کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ آج دو طرفہ ظلم ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں شاید دس فیصد عورتوں کو وراثت ملتی ہے جبکہ نوے فیصد کو سرے سے وراثت ملتی ہی نہیں۔ میں اپنے پاکستان کے معاشرے کی بات کر رہا ہوں۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے ایک خاتون کا فون آیا۔ شاید اخبارات میں میرے مضامین پڑھتی رہتی ہوگی، اس حوالے سے جانتی ہوگی۔ کسی کالج کی لیکچرار تھی۔ کہنے لگی کہ میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور ان کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں سے میرا وراثت کا حصہ بنتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک بازار میں کوئی سات آٹھ دکانیں میرے حصے میں آتی ہیں۔ میں نے اپنے بھائیوں سے اپنا حصہ مانگا ہے کہ یہ میرا حق ہے، مجھے ملنا چاہیے۔ تو بھائی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، ہم دکانیں تو دے دیتے ہیں لیکن پھر زندگی بھر

کے لیے تمہارے ساتھ ہمارا تعلق ختم، مرنا جینا ختم۔ یا دکانیں لے لو یا تعلق باقی رکھو۔ اب آپ بھی اس معاشرے کو جانتے ہیں، وہاں عورت جائیداد کی قربانی تو دے سکتی ہے، بھائیوں کی قربانی نہیں دے سکتی۔ پتہ نہیں زندگی میں کیا مراحل پیش آ جائیں گے۔ وہ مجھ سے مشورہ لے رہی تھی کہ میں دکانیں لوں یا بھائیوں کو رکھوں؟ میں نے کہا کہ بی بی یہ دونوں مسئلے نازک ہیں اور میں آپ کے علاقے کے ماحول سے بھی واقف نہیں ہوں، اس لیے وہاں کے مقامی علما سے مشورہ لیں، وہ زیادہ بہتر آپ کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں پچھلے سال اسمبلی میں عورتوں کے حقوق کے نام سے ایک معاملہ چل رہا تھا۔ حقوق نسواں بل پر بحث ہوتی رہی۔ حکومت اور اپوزیشن نے علما کی ایک کمیٹی بنائی، اس میں میں بھی تھا۔ اس کمیٹی کو غیر جانبدار کہا گیا۔ ہم اس دوران اسلام آباد میں بیٹھے رہے اور مذاکرات کرتے رہے۔ حدود آرڈیننس میں کچھ ترمیمات پر بھی بات چل رہی تھی، کافی لمبا مسئلہ تھا۔ ہم نے حکومت اور اپوزیشن والوں سے کہا کہ بھئی بات یہ ہے کہ بل کا عنوان رکھا گیا ہے "تحفظ حقوق نسواں" یعنی عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا بل، لیکن ہماری پاکستان کی سوسائٹی میں عورتوں کے جو حقوق عملاً متاثر ہو رہے ہیں، ان میں سے کسی کا بھی اس بل میں ذکر نہیں ہے۔

ہم نے کہا کہ عورت کو یہاں وراثت نہیں ملتی، بل میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ عورت کو طے کردہ مہر نہیں ملتا۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ نوے فیصد عورتوں کو وراثت نہیں ملتی اور تقریباً پچھتر فیصد عورتوں کو مہر نہیں ملتا۔ مختلف حیلوں بہانوں سے ہم مہر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھیں، ان کے پاس ایک صاحب آئے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران ذکر کیا کہ میرا مہر تو بیوی نے مجھے معاف کر دیا۔ والد صاحب نے پوچھا بھائی معاف کیسے کیا؟ اس کو دیا تھا اور پھر اس نے واپس کر دیا یا ویسے ہی زبانی معاف کر دیا؟

تو ہم نے حکومت اور اپوزیشن والوں کو بتایا کہ ہمارے معاشرے میں عورت کی مظلومیت کے حوالے سے عملی مسائل کیا ہیں۔ عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، عورت کو مہر نہیں ملتا، ہمارے

معاشرے میں عورت کی جبری شادی کردی جاتی ہے، جوان بچی کی اس کا باپ اس کی مرضی کے بغیر شادی کر رہا ہے۔ وہ بیچاری بے بس ہے۔ اس بات کی شریعت قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ ہم نے پوچھا کہ بھئی، جبری شادی کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا کیا؟

ہم نے کہا کہ ہمارے معاشرے میں عورت باقاعدہ بکتی ہے۔ بعض علاقوں میں باپ اپنی بیٹی کی قیمت وصول کرتا ہے، لیکن آپ کے بل میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لوگ لڑکی کے باپ کو پیسے دے کر خریدتے ہیں۔ ہمارے بعض جاگیردار علاقوں میں لڑکی کی قرآن سے شادی کر دی جاتی ہے اور یہ بات قرآن کریم کی توہین بھی ہے کہ قرآن کریم سے شادی کے مقدس عنوان پر اپنی بیٹی کے حصے کی جائیداد اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک جاگیردار اپنی بیٹی کی شادی اگر کرے گا تو قانونی و شرعی طور پر اسے اپنی جائیداد کا ایک حصہ اس کے نام کرنا پڑے گا، چنانچہ وہ اس کی شادی قرآن سے کر دیتا ہے۔ سندھ کے کچھ علاقوں میں اب بھی یہ رواج ہے۔ باقاعدہ تقریب ہوتی ہے، برات ہوتی ہے، اس کے لیے الگ ایک خوبصورت سا کوارٹر بنایا جاتا ہے اور باقاعدہ تقریب کر کے قرآن کریم اس کی جھولی میں رکھ دیتے ہیں کہ بیٹی ہم نے تمہاری قرآن کریم سے شادی کر دی ہے، اب تم نے ساری زندگی قرآن پڑھنا ہے۔ تمہیں خرچہ، رہنا، کھانا وانا سب ملے گا، بس اب تمہارا باقی کی زندگی یہی کام ہے۔ یعنی قرآن کریم کے مقدس نام کو عورت کو شادی سے محروم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے کہ جائیداد تقسیم نہ ہو جائے، دو چار چھ مربع زمین نہ کسی کو دینی پڑ جائے۔ ہم نے کہا کہ تمہارے بل میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ہم نے کہا کہ عنوان تو اس بل کا حقوق نسواں ہے، لیکن عورتوں کی مظلومیت کا ایک عملی مسئلہ بھی اس میں ذکر نہیں کیا گیا۔ خیر وہ بل تو انہوں نے ایسے ہی منظور کر لیا لیکن بعد میں ایک الگ بل ہماری تجاویز کے مطابق لے کر آئے اور منظور کیا۔ عورت کی مظلومیت ہمارے پاکستان کے حوالے سے تو یہ ہے۔

مغرب میں عورت کے ساتھ دھوکہ

اب یہاں مغرب کے حوالے سے بھی عورت کی مظلومیت دیکھ لیں۔ ایک سوال میں اکثر کیا کرتا

ہوں' آپ بھی اس پر ذرا غور فرما لیں۔ ہماری بہنیں بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ عورتوں کو ہم نے برابر کے حقوق دیے ہیں۔ اس بات کا بھانڈا پھوڑا ہے روس کے ایک سابق وزیر اعظم گورباچوف نے۔ اس نے پروسٹرائیکا میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اس نے یورپ کی بات کرتے ہوئے کہا کہ اصل بات یہ ہوئی ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران قتل عام ہوا' لاکھوں کروڑوں افراد مارے گئے۔ افرادی قوت کا خلا پیدا ہو گیا' فیکٹریاں بند ہو گئیں' دفتر خالی ہو گئے' سکول ویران ہو گئے۔ گورباچوف کے الفاظ ہیں کہ ہم نے اپنی افرادی قوت کے خلا کو پر کرنے کے لیے عورت سے یہ کہا کہ تمہیں ہم برابر کے حقوق دیتے ہیں' تم گھر سے باہر نکلو اور فیکٹری میں' دفتر اور سکولوں میں آؤ اور ہمارے لیے کام کرو' یعنی گھر کا کام بھی کرو اور باہر کا بھی۔ ہم عورت کو ورغلا کر گھر سے باہر لائے۔ ہم نے یہ کام کر کے اپنی افرادی قوت کے خلا کو تو پر کر لیا لیکن ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا۔ گورباچوف کہتا ہے کہ اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ واپس گھر چلی جائے اور اپنے گھر کا نظام سنبھالے' لیکن ہمیں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔

مغرب نے بیچاری عورت کے ساتھ کیا کیا؟ میرا ایک بہت سنجیدہ سوال ہے۔ عورت کے جو فطری فرائض ہیں' وہ تو اسی کے کھاتے میں ہیں۔ بچہ جننا بھی عورت نے ہے اور پالنا بھی اسی نے ہے۔ ایک خاص عمر تک بچے کی عورت نے ہی پرورش کرنی ہے۔ مرد یہ کام نہیں کر سکتا' یہ اس کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ قدرت کی تقسیم تو بالکل فطری ہے کہ گھر کا نظام عورت کی ذمہ داری ہے اور گھر کے باہر کے معاملات کا انتظام مرد کے سپرد ہے۔ یہ قدرت کی تقسیم کار ہے' اس میں کوئی حقارت یا عظمت کا پہلو نہیں ہے۔ لیکن مغرب نے کیا کیا؟ عورت کو کارخانے اور دفتر میں لا کر اس کے حقوق میں اضافہ کیا یا فرائض میں؟ یعنی مغرب کے مرد نے عورت کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے کہ اس کی کسی ڈیوٹی میں شیئر کیے بغیر اسے اپنے ساتھ اپنی ڈیوٹی میں شامل کر لیا ہے۔ اس کی کسی نیچرل ڈیوٹی میں مرد نے شیئر نہیں کیا' اور نہ ہی وہ کر سکتا ہے لیکن اپنی ڈیوٹی میں اسے ساتھ ملا لیا کہ ہمارے ساتھ مل کر کام بھی کرو۔ اور عورت بجائے اس بات کو سمجھنے کے کہ دونوں طرف کی ڈیوٹی میرے کھاتے میں پڑ گئی ہے' اس عنوان پر خوش ہے کہ ہمارے حقوق برابر ہو گئے ہیں۔

تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے حوالے سے میں عرض کر رہا تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں دو کمزوروں کے بارے میں خاص وصیت کرتا ہوں کہ وہ خود تو اپنا حق وصول کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے، اس لیے تم ان کا ضرور خیال رکھنا۔ ایک یتیم اور دوسرا عورت۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ کا یہ ارشاد جیسے اس سوسائٹی کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا' ہماری آج کی سوسائٹی کے لیے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یتیم اور عورت آج بھی مظلوم اور بے بس ہیں۔

عورت کا رائے کا حق

عورت کے حقوق کے حوالے سے ایک روایت بخاری میں ہے۔ میں اس کا بھی یہاں ذکر کر دیتا ہوں۔ روایت یوں ہے کہ بریرہؓ ایک خاندان کی لونڈی تھیں۔ خاندان والوں سے بات کی کہ مجھ سے پیسے لے کر مجھے آزاد کر دو۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ طے ہوا کہ اتنی رقم ہوگی اور قسط وار نو سال میں ادا ہوگی۔ جب پیسے پورے ہو جائیں گے تو تم آزاد ہو جاؤ گی۔ بریرہؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور گزارش کی کہ اماں جان! میں نے اپنے مالکوں سے اپنی آزادی کا سودا کر لیا ہے' اب نو سال تک قسطیں دے کر آزاد ہو جاؤں گی' آپ میری اس معاملہ میں کچھ مدد کریں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اپنے مالکوں سے بات کرو کہ میں سارے پیسے دے کر تمہیں آزاد کرانے کے لیے تیار ہوں، لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ ولا میری ہوگی۔

یہ ولا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ یہ وراثت کا آخری درجہ ہے۔ کوئی آدمی فوت ہو جائے' اگر اس کا کوئی بھی رشتہ دار نہ ہو تو وراثت کسے ملے گی؟ غلام عام طور پر ایسے ہی ہوتے تھے' کیونکہ وہ باہر سے آتے تھے، اس لیے ان کا کوئی رشتہ دار' کوئی برادری نہیں ہوتی تھی۔ اب اگر کوئی غلام فوت ہو گیا ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو اس کا ترکہ کس کو ملے گا؟ یہ آزاد کرنے والے کو ملے گا۔ یہ وراثت کا آخری درجہ ہے۔ اس کو حق ولا کہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں سارے پیسے دے دیتی ہوں، لیکن حق ولا میرا ہوگا۔ بریرہؓ گئی اور جا کر اپنے مالکوں سے بات کی' لیکن وہ حق ولا دینے پر نہ مانے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا' تو آپؐ نے فرمایا کہ خریدلو الولاء لمن أعتق، جس نے آزاد کرایا ہے' ولا اس کی ہے۔ شرطیں لگانے سے ولا نہیں بدلتی۔ یہ شریعت کا قانون

ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کو خرید لیا۔ (بخاری، رقم ۲۳۶)

اب بریرہؓ آ تو گئی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں، لیکن ایک مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس کی ایک نوجوان مغیثؓ سے شادی ہو چکی تھی۔ غلامی کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ اگر مالک نے اپنی لونڈی کی شادی کسی سے کر دی ہے تو آزاد ہونے پر اب اس کو حق حاصل ہے کہ آیا وہ خاوند کے نکاح میں رہنا چاہتی ہے یا نہیں رہنا چاہتی۔ وہ جو آزادی کی صورت میں ایک لڑکی کا نکاح کے وقت حق ہوتا ہے کہ وہ اسے تسلیم کرے یا نہیں وہ اب بحال ہو گیا۔ اسے کہتے ہیں خیار عتق یعنی آزادی کی وجہ سے حاصل ہونے والا حق۔ چنانچہ بریرہؓ جب آزاد ہو کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ان کے گھر آ گئیں تو انہوں نے اپنا حق استعمال کرتے ہوئے مغیث صاحب کی چھٹی کرا دی۔ مغیثؓ پریشان ہو گئے۔ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا، حضورؐ نے کہا کہ اس کا حق ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔ اب مغیث مختلف لوگوں سے سفارشیں کراتے پھر رہے ہیں کہ کوئی میری بریرہؓ سے صلح کرا دے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ مغیثؓ گلیوں میں روتا ہوا بریرہ کے پیچھے پھر رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ اس کی محبت دیکھو کہ بیچارہ گلیوں میں روتا پھر رہا ہے اور وہ اس کا نام نہیں سننا چاہتی۔ مغیث کی درخواست پر حضورؐ نے بریرہؓ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بریرہؓ بطور خادمہ حضرت عائشہؓ کے پاس ہی رہتی تھیں۔ حضورؐ نے بریرہؓ سے پوچھا کہ مغیث کا کیا قصہ ہے؟ یارسول اللہ! میں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ فرمایا، وہ تو بیچارہ گلیوں میں روتا پھرتا ہے۔ کہا، یارسول اللہ! میں نے تو اپنا حق استعمال کیا ہے۔ حضورؐ نے پوچھا، کیا تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتی ہو؟ آخر وہ تمہارے بچوں کا باپ ہے۔ حضورؐ نے مغیث کی سفارش کی۔ اب آپ خیال فرمایئے کہ سفارش کون کر رہا ہے؟ وہ لڑکی بھی بہت سمجھدار تھی، حدود سمجھتی تھی، معاملہ کو بھانپ گئی۔ آخر حضرت عائشہؓ کے گھر میں رہتی تھی۔ پوچھا، یارسول اللہ! حکم فرما رہے ہیں یا مشورہ دے رہے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ اگر تو یہ حکم ہے تو پھر کسی مسلمان کی کیا مجال ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، حکم نہیں ہے بلکہ مشورہ ہے۔ تو فوراً کہتی ہے: لاحاجۃ لی بہ، پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا، بس کر لیا۔ بات ختم

ہو گئی۔ (بخاری، رقم ۴۸۷۵، ابوداؤد ۱۹۰۴)

آج دنیا میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام عورت کو رائے کا حق دیتا ہے یا نہیں۔ میں اس کا جواب دیا کرتا ہوں کہ اسلام عورت کو رائے کا ایسا حق دیتا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کے بعد بریرہؓ اسی گھر میں رہی ہیں، حضورؐ نے پھر بھی بات دہرائی بھی نہیں کہ بریرہ تم نے میری بات نہیں مانی۔

ماتحتوں اور غلاموں کے حقوق

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا طبقہ غلاموں کا بتلایا۔ اس زمانے میں غلام تھے، پھر آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ آج دنیا میں غلامی کا وجود بھی نہیں ہے اور غلامی کے اسباب بھی موجود نہیں ہیں، لیکن آج کے بعد جب بھی دنیا میں کہیں ایسے حالات پیدا ہوں کہ غلامی دوبارہ وجود میں آئے تو اسلام کے احکام اس سلسلے میں موجود ہیں۔ حضورؐ کے زمانہ میں غلام تھے، چنانچہ آپؐ نے ان کے حقوق اور معاشرتی مقام کے حوالے سے بڑی واضح باتیں ارشاد فرمائیں۔

حضورؐ نے غلاموں کے بارے میں بطور خاص یہ وصیت کی کہ تمہارے اور ان کے معیار زندگی میں فرق نہیں ہونا چاہیے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اخوانکم خولکم، تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ یہ بھی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہ بھی انسان ہیں ان کی بھی تمہاری طرح ضروریات ہیں، یہ بھی تمہاری طرح انسانی عزت و شرف کے مستحق ہیں۔ جعلهم الله تحت ایدیکم، یہ تو بس اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ یہ تمہارے ہاتھ کے نیچے آ گئے ہیں۔ ان کو بھی وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور جیسا لباس تم خود پہنتے ہو، ان کو بھی ویسا ہی پہناؤ۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اگر کوئی کام ان کی ہمت سے زیادہ ہے تو فاعينوهم، ان کا ہاتھ بٹاؤ، خود ساتھ مل کر وہ کام کرو۔ (بخاری، رقم ۲۹)

حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ نے فرمایا کہ وان جاؤا بذنب لا تریدون ان تغفروا فبيعوا عباد الله ولا تعذبوهم، اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے اور تم انہیں معاف نہیں کرنا چاہتے تو انہیں بیچ دو لیکن سخت سزا مت دو۔ یعنی ایسی غلطی ہو گئی ہے کہ تم برداشت نہیں کر پا رہے تو

کوئی نا قابل برداشت سزا مت دو بلکہ ان کو بیچ دو۔

ایک صحابی حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں چھڑی سے اپنے ایک غلام کی پٹائی کر رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے آواز آئی ابو مسعود! جتنی قدرت تم اس پر رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ قدرت والا تمہارے اوپر بھی موجود ہے۔ تم نے اپنے آپ کو مالک سمجھ کے تھپڑ مارا ہے نا تو تمہارا بھی کوئی مالک ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اللہ کی خاطر اسے کو آزاد کر دیا۔ فرمایا اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی۔ (مسلم، رقم ۳۱۳۵، ۳۱۳۶)

دین کی بات دوسروں تک پہنچانا

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایات دی ہیں، ہمیں اپنی معاشرتی انفرادی و اجتماعی زندگیاں گزارنے کے طریقے بتائے ہیں، سلیقہ بتایا ہے، اصول بتائے ہیں۔ چنانچہ ایک بات یہ بتائی کہ میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں یہ تم تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ لیبلغ الشاھد الغائب، جو شخص میری باتیں سن رہا ہے وہ ان باتوں کو اپنے تک محدود نہ رکھے، وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اسلام دعوت اور اجتماعیت کا دین ہے۔ اسے دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ سب سے پہلا دائرہ تو گھر کا ہے۔ ایک دین کی بات علم اور سمجھ میں آئی ہے، اسے آگے پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ خود عمل کر کے مطمئن ہو جانا کافی نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اس کا پہلا دائرہ یہ بیان فرمایا: یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ (تحریم ۶:۶۶) فرمایا اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی، اور یہ وہ آگ ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

انسانی زندگی میں حادثات پیش آتے ہیں۔ خدا نہ کرے، کسی مکان میں آگ لگ جائے اور گھر کا مالک موجود ہے۔ کیا وہ چھلانگ لگا کر باہر چلا جائے گا کہ جی میں تو بچ گیا ہوں، باقی خود جانیں اور ان کا کام جانے؟ نہیں! بلکہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈالے گا اور گھر کے دوسرے افراد کو نکالنے کی کوشش کرے گا۔ جب تک وہ گھر کے سارے افراد کو آگ سے نکال کر باہر نہیں لے جائے

گا اس کا دل مطمئن نہیں ہوگا۔ اسی لیے قرآن کریم نے آگ کی مثال دی ہے کہ دنیا میں اگر آگ سے سابقہ پیش آجائے تو خود بچ کر خوش اور مطمئن نہیں ہو جاتا کہ میں تو بچ گیا ہوں۔ ویسے تو اگر کوئی صاحب ضمیر انسان ہے تو وہ تو کوشش کرے گا کہ بلڈنگ میں جتنے لوگ ہیں بچ کر نکل آئیں چاہے وہ اس کے گھر کے افراد نہ بھی ہوں۔ قرآن کریم نے کہا کہ جس طرح دنیا کی آگ سے گھر والوں کو بچاتے ہو اسی طرح آخرت کی آگ سے بھی انہیں بچاؤ۔ اس آگ کا تو ایندھن ہی انسان اور پتھر ہوں گے۔

تو سب سے پہلے گھر کے افراد' پھر محلہ' پھر برادری' پھر سوسائٹی' پھر شہر' پھر قوم' پھر ملک اور پھر دنیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں' انہیں اپنے آپ تک محدود نہ رکھنا بلکہ انہیں دنیا تک پہنچاؤ۔ لیبلغ الشاھد الغائب ۔ ایک تو یہ فریضہ جتلایا' دوسرا ایک حکمت بھی بیان کی جس کا مشاہدہ ہم پچھلے چودہ سو سال کے عرصہ میں کرتے آئے ہیں۔ فرمایا' بسا اوقات ایک آدمی کوئی بات سنتا ہے' اور اسے آگے کسی اور تک پہنچا دیتا ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ سننے والا اس بات پہنچانے والے سے زیادہ سمجھدار ہو' اور اس بات سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ اس آدمی کو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ عقل دے رکھی ہو۔ پہلا آدمی گویا پائپ لائن کا کام دے رہا ہے۔ فرمایا: رب حامل فقہ غیر فقیہ ، بسا اوقات ایک بات سن کر آگے پہنچانے والا اس بات کو پوری طرح نہیں سمجھ پاتا' لیکن پہنچانے کا فریضہ اگر انجام دے گا تو کسی ایسے آدمی تک پہنچا دے گا جو اس سے بہت فائدے اٹھائے گا۔ اور تاریخ اسلام میں ایسا ہوا۔ حدیث کے راویوں اور حدیث کے بیان کرنے والوں نے حضورؐ کے ارشادات کو نقل کیا' اوروں تک پہنچایا اور پھر آگے امت کے فقہا نے ان ارشادات پر محنت کی' ان پر کام کیا' ان میں سے مسائل مستنبط کیے' ان میں سے نتیجے نکالے' رہنمائی کے اصول اخذ کیے' یہ تو ایک عظیم الشان کام ہے۔ اہل علم' اہل دانش نے حضورؐ کے ارشادات سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دنیا کو بھی فائدہ پہنچایا۔

محدثین کا کام ہے حدیث بیان کرنا۔ فقہا کا کام ہے اس میں سے مسئلے نکالنا۔ ایک آدمی نے روایت بیان کی کہ حضورؐ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ دوسرے نے اس کا تجزیہ کیا اور اس میں سے

مسائل نکالے۔ علما بتاتے ہیں کہ ایک ایک حدیث سے فقہائے دس دس مسائل مستنبط کیے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بریرہؓ کے آزاد ہونے کے بارے میں جس روایت کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، فقہا نے اس سے ایک سو سے زیادہ مسائل نکالے ہیں۔ واقعہ ایک ہے، لیکن اس میں سے وضع کیے جانے والے قوانین اور مسائل سو سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ روایت کرنے والے نے تو بات آگے پہنچا دی، اور آگے فقہا ہوا، اللہ رب العزت نے اس عقل، دانش اور حکمت سے نوازا کہ انہوں نے اس بات کو زیادہ سمجھا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسرے لوگوں تک بھی اس کا فائدہ پہنچایا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ جو مجھ سے سنتے ہو، اسے اپنے تک محدود نہ رکھو بلکہ آگے اور لوگوں تک پہنچاؤ۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ دین کی بات عام ہوگی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے تم سے وہ بات سننے والا تم سے زیادہ سمجھدار ہو اور وہ اس بات سے زیادہ فائدہ اٹھائے اور لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچائے۔ یہ بات پہنچانا، دعوت دینا اور دین کا مسئلہ لوگوں میں عام کرنا، یہ بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے۔

منہ بولے رشتوں کا خاتمہ

جاہلی قدروں میں سے ایک جاہلی قدر جس کے خاتمے کا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان ان الفاظ کے ساتھ فرمایا: من ادعی الی غیر ابیه وانتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنة اللہ التابعة الی یوم القیامة او کما قال صلی اللہ تعالی علیه وسلم۔ ترجمہ بعد میں کروں گا، پہلے اس کا پس منظر عرض کرتا ہوں۔ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ زبان سے رشتے طے ہو جاتے تھے، کہ یہ میرا باپ ہے، یہ میرا بیٹا ہے۔ بس باپ بیٹا بن گئے۔ یعنی زبان سے معاہدہ کر کے رشتے طے ہو جاتے تھے۔ بھائی بھائی کہہ دیا تو بھائی ہو گئے۔ باپ بیٹا کہہ دیا تو بس یہ رشتہ بن گیا۔ کسی کو ماں کہہ دیا تو وہ ماں ہو گئی۔ کسی عورت نے کسی کو بیٹا بنا لیا تو بس یہ رشتہ قائم ہو گیا۔ یہ زبان سے اور معاہدے سے رشتہ دار بننا جاہلیت کے زمانے میں تھا اور اس کو معاشرہ میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ آج بھی بہت سے معاشروں میں اسے تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہندو مذہب میں تو اب بھی ہے۔ ان میں کسی کو بیٹا بنا لیا جائے تو وہ بن جاتا ہے۔ یہاں امریکہ میں بھی میرا خیال ہے کہ کوئی ایسی صورت

ہے کہ اگر کسی کو اپنا وارث قرار دے دیا جائے تو اسے وارث تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ یعنی کسی کو اگر بیٹا یا بھائی لکھ دیا جائے' وصیت کر دی جائے تو وہ بیٹا یا بھائی شمار ہو جاتا ہے۔

جاہلیت میں بھی ایسا تھا اور اتنا عام تھا کہ خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان زید ابن حارثہ کو بیٹا بنا لیا تھا۔ یہ واحد صحابیؓ ہیں جن کا نام قرآن کریم میں ہے۔ قرآن کریم میں صحابہؓ کا ذکر تو ہے' بعض صحابہؓ کی خصوصیات کی طرف اشارے بھی ہیں لیکن کسی کا نام نہیں ہے۔ نام اگر کسی صحابیؓ کا قرآن کریم میں ہے تو وہ زید ابن حارثہؓ کا ہے۔ فلما قضی زید منها وطراً زوجنا کها (الاحزاب ۳۳:۳۷) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور یہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے۔ زید ابن حارثہؓ سے حضور کو بڑی محبت تھی۔ کان حب رسول اللہ، حضور کو اس نوجوان سے بڑی محبت تھی اور ان کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ سے بھی' دونوں باپ بیٹوں سے محبت تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیٹا بنا لیا۔ اور پھر صرف بیٹا نہیں بنایا بلکہ بڑا پروٹوکول دیا کہ اپنی پھوپھی زاد سے نکاح بھی کر دیا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنے خاندان میں رشتہ کروا کر ان کا یہ اسٹیٹس بھی قائم کیا کہ قریش کے داماد ہیں، ہاشمیوں کے داماد ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے جاہلیت کی یہ رسم توڑی اور حضورؐ سے تڑوائی۔ یہ اتنی بڑی رسم تھی کہ اس کو حضورؐ ہی توڑتے تو ٹوٹنی تھی ورنہ باقی دنیا میں اب تک نہیں ٹوٹی اور یہ رسم باقی ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بیٹا بنایا تو وہ زید بن محمد کہلانا شروع ہو گئے۔ حضور کو ابو زید کہا جاتا تھا۔ حضور کی کنیت ابو زید ہو گئی کہ یہ زید کے باپ ہیں اور زید کو زید بن حارثہؓ کی بجائے زید بن محمد کہا جانے لگا۔ یہ غلط ہوا۔ لیکن قرآن کریم نے واضح طور پر فرما دیا کہ: ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند الله (احزاب ۳۳:۵) حقیقی ماں وہی ہے جس ماں نے جنا ہے اور دوسری کوئی ماں نہیں۔ اور حقیقی باپ وہی ہے جس کے فراش (بستر) پر پیدا ہوا ہے' دوسرا کوئی باپ نہیں ہے۔

چنانچہ حضورؐ کو بھی منع فرما دیا گیا۔ حضورؐ نے کنیت ترک کر دی۔ زید بن محمد پھر زید بن حارثہ کہلانا شروع ہو گئے، بلکہ اس سے اگلی بات کہ جب زید ابن حارثہؓ نے زینب بنت جحش کو طلاق دے دی'

نباہ نہیں ہوا' آپس میں مزاج نہیں ملے تو اللہ تعالیٰ نے زینب بنت جحشؓ کا نکاح حضورؐ سے کروادیا۔ یہ اتنی بڑی بات تھی جاہلیت کے اس معاشرہ میں کہ ایک طوفان کھڑا ہو گیا کہ بہو سے نکاح کر لیا۔ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے فرمایا کہ میں نے یہ نکاح کروایا ہے یہ نہیں کہا کہ میں نے آپ کو اجازت دی ہے کہ یہ نکاح کر لیں۔ ایک بہت پرانی رسم توڑنی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سطح پر یہ بات کی۔ قرآن کریم میں کہا کہ جب زیدؓ نے طلاق دے دی زینب کو تو زوجنا کھا۔ ہم نے اس کا نکاح آپ سے کرادیا۔ زینب بنت جحشؓ بڑے فخر سے دوسری ازواج مطہرات سے یہ ذکر کیا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح فرش پر ہوئے ہیں اور میرا نکاح عرش پر ہوا ہے۔ (بخاری، رقم ۷۰۶۸)

ازواج مطہرات میں آپس میں نوک جھوک چلتی رہتی تھی' جیسا کہ سوکنوں میں عام طور پر ہوتا ہے۔ انسان تھیں' عورتیں تھیں۔ عورت تو عورت ہی ہوتی ہے، بلکہ بخاری کی روایت ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروپ تھے۔ ایک گروپ میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ تھیں اور دوسرے گروپ میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات تھیں۔ (بخاری، رقم ۲۳۹۳) ان کی آپس میں نوک جھوک چلتی رہتی تھی۔ یہ فطری بات ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میری جب بھی زینبؓ سے کوئی بات ہوئی ہے تو میں جیتی ہوں۔ دونوں اپنے اعزازوں کا ذکر کرتیں۔ ایک کہتی کہ میں یہ ہوں' دوسری کہتی کہ میرا یہ اعزاز ہے، لیکن جب زینبؓ یہ کہتی تھی کہ تمہارے نکاح فرش پر ہوئے ہیں اور میرا نکاح عرش پر ہوا ہے تو میں لاجواب ہو جایا کرتی تھی۔ زینبؓ کی اس بات کا میرے پاس جواب نہیں ہوتا تھا۔

بلکہ ایک دفعہ یوں ہوا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تو زینبؓ آ گئیں۔ انہوں نے کوئی شکایت کی جس سے بات شروع ہو گئی' وہ بولتی رہیں اور میرے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ میں حضورؐ کے چہرے کی طرف چپ کر کے دیکھتی رہی کہ حضورؐ کیا کہتے ہیں۔ پھر جب زینبؓ نے اپنا سارا غصہ نکال لیا تو حضورؐ نے میری طرف دیکھا' تو پھر میں شروع ہو گئی۔ میں پھر ایسی شروع ہوئی کہ میں نے زینب کو چپ کرادیا۔ حضورؐ نے زینبؓ کی باتیں بھی سنیں اور میری

بھی۔ میں نے جب بالکل لاجواب کر دیا تو حضورؐ نے اور کچھ نہیں کہا۔ بس آخر میں اتنا ہی تبصرہ کیا کہ آخر ابو بکرؓ کی بیٹی ہے۔ (بخاری، رقم ۲۳۹۳)

آپس میں اس درجے کی معاصرت تھی کہ دو گروپوں کی قیادت کرتی تھیں، لیکن دیانت اور امانت کی یہ بات دیکھیں کہ جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگی ہے، الزام لگا ہے تو حضورؐ نے گھر کی بیویوں سے بھی پوچھا ہے کہ عائشہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت زینبؓ سے بھی پوچھا۔ اس سے بہتر کوئی موقع کسی سوکن کو نیچا دکھانے کا نہیں ہو سکتا۔ پوچھا کہ عائشہؓ کے بارے میں لوگ یہ باتیں کرتے ہیں، تمہارا کیا خیال ہے؟ تو زینبؓ کہنے لگیں، یا رسول اللہ! اللہ کو جان دینی ہے۔ عائشہ جیسی کوئی خرابی نہیں، میں گواہی دیتی ہوں۔ (بخاری، رقم ۲۴۶۷) یہ امانت اور دیانت کی بات ہے۔ جھگڑے آپس میں ہوتے رہتے تھے، وہ فطری بات ہے۔ حالانکہ زینب بنت جحشؓ کی اپنی بہن حمنہؓ بنت جحش اس پراپیگنڈے کا حصہ تھی، لیکن حضورؐ نے جب حضرت زینب سے پوچھا تو کہا نہیں حضورؐ! عائشہ بالکل پاک ہے، اس بات کا عائشہ جیسی تصور بھی نہیں ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن کریم نے کہا کہ ہم نے آپ کا زینبؓ سے نکاح کر دیا۔ اور سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے یہ ضابطے بیان فرمائے اور فرمایا کہ آج کے بعد ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ، جو شخص بھی جس باپ کا حقیقی بیٹا ہے اس کے حوالے سے پہچانا جائے گا۔ نسب تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آج بھی یہ مسئلہ دنیا کی کچھ سوسائٹیوں میں ہے اور ہمارے ہاں بھی ایک دو جزوی باتوں کے حوالے سے یہ موجود ہے۔ ہمارے ہاں یہ مسئلہ چلتا ہے جب کوئی بے اولاد جوڑا کسی بچے کو لے کر پالتا ہے۔ ہمارے پاس بھی ایسے بہت سے معاملے آتے ہیں۔ مثلاً ایک بے اولاد جوڑے نے ایک بچہ لے کر پالا ہے، بچہ حقیقت میں اس کا نہیں ہے تو وہ اس کا تعارف اپنے حوالے سے لکھواتے ہیں کہ وہ ان کا بیٹا ہے۔ حالانکہ وہ ان کا بیٹا نہیں ہے۔ جب نکاح نامے میں خانہ پر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ شناختی کارڈ میں تو ایسے ہی لکھا ہوا ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ بھئی یہ اس کا باپ نہیں ہے۔ ایک کیس میں تو اچھا خاصا مسئلہ بن گیا۔ میرے محلے کا خاندان تھا اور میں واقف تھا ان سے۔ کہنے

لگے کہ اس کا باپ وہ ہے میں نے کہا کہ نہیں، اس کا باپ وہ نہیں ہے۔ میرے سامنے انہوں نے بچہ گود لیا ہے۔ کہتے ہیں جی کہ کاغذات میں تو یہی باپ لکھا ہے میں نے کہا کہ میں اب کیا کر سکتا ہوں؟ تو ایک مسئلہ تو یہ پیدا ہوتا ہے اور شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ بچہ لے کر پالنا تو ٹھیک ہے لیکن وہ اپنے ماں باپ کے حوالے سے ہی پہچانا جائے گا۔ قرآن کریم میں بھی نسبت تبدیل کرنے سے روکا گیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے۔

حج یا عمرہ کے لیے خودساختہ محرم

ہمارے ہاں اس حوالے سے ایک اور مسئلہ پیش آتا ہے یہاں معلوم نہیں ہوتا ہے یا نہیں۔ حج پر جانے کے لیے شریعت کا بھی اور سعودیہ کا بھی قانون ہے کہ عورت محرم کے سوا نہیں جا سکتی۔ سعودی حکومت اس کی تصدیق مانگتی ہے۔ ہمارے پاس ایسے کئی معاملے آتے ہیں کہ مولوی صاحب! حج پر جانا ہے تو میں نے فلاں کو بھائی بنالیا ہے آپ تصدیق کر دیں۔ بھئی ہم کیسے تصدیق کر دیں؟ یہ تمہارا حقیقی بھائی نہیں ہے۔ فلاں کو میں نے بیٹا بنالیا ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ محرم بنا کر حج پر جانے والا معاملہ ہوتا ہے۔ کئی لوگ آتے ہیں کہ مولوی صاحب تصدیق کر دیں۔ جہاں اس بات کا ہمیں علم ہو، ہم تصدیق نہیں کرتے۔ ایک بی بی تو یہاں تک کہنے لگی کہ مولوی صاحب! میں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ میں نے کہا بی بی! یہ بیٹے بنانے سے نہیں بنتے، یہ تو اللہ کی طرف سے بنے بنائے آتے ہیں، یہ خود کار سسٹم ہے۔ چنانچہ شریعت تین حوالوں سے رشتے تسلیم کرتی ہے۔ درمیان میں بات آ گئی ہے تو عرض کر دیتا ہوں۔

رشتوں کے شرعی اسباب

شریعت نسب کے حوالے سے صہر کے حوالے سے اور رضاعت کے حوالے سے رشتہ تسلیم کرتی ہے۔ یہ تین اسباب ہیں شریعت میں رشتہ قائم ہونے کے۔ پہلا سبب نسب کا ہے کہ جس کے ہاں کوئی پیدا ہو۔ اس حوالے سے باقی رشتے قائم ہوتے ہیں جیسے باپ، ماں، بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ وغیرہ۔ دوسرا سبب صہر کا ہے۔ صہر کہتے ہیں سسرال کو، یعنی سسرال کا رشتہ۔ اب جس عورت

کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے تو اس عورت کی ماں اس کی ماں بن گئی ہے۔ وہ اس پر حرام ہے۔ اب وہ اس عورت کی ماں سے شادی نہیں کر سکتا' اس کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا۔ اسے صہر کا یعنی سسرالی رشتہ کہتے ہیں۔ تیسرا سبب رضاعت کا رشتہ ہے جو ہمارے ہاں اکثر نظر انداز ہو رہا ہے۔ رضاعت کا رشتہ یہ ہے کہ ایک بچے نے دودھ کی عمر میں اپنی حقیقی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ پی لیا ہے تو بس اب وہ اس کی ماں بن گئی ہے۔ قرآن کریم نے اسے اس طرح ذکر کیا ہے: امھاتکم الاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ (نساء ۴: ۲۳) جہاں قرآن کریم نے محرمات کا ذکر کیا کہ فلاں فلاں عورت سے تمہاری شادی جائز نہیں ہے' وہاں یہ بھی ذکر کیا کہ امھاتکم الاتی ارضعنکم۔ وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے' اب وہ تمہاری ماں بن گئی ہے۔ واخواتکم من الرضاعۃ۔ ان کی بیٹیاں تمہاری بہنیں بن گئی ہیں۔

ہمارے احناف کے ہاں دودھ کی عمر میں کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پی لیا ہے تو وہ ماں بیٹا بن گئے ہیں' اس کا خاوند اس کا باپ بن گیا ہے' اس کی بیٹیاں اس کی بہنیں بن گئی ہیں' اس کے بیٹے اس کے بھائی بن گئے ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (بخاری، رقم ۲۳۵۱) جو رشتے نسب میں حرام ہیں' رضاعت میں بھی حرام ہیں۔ جس عورت کا دودھ پیا ہے' اس کی بہن اب اس کی خالہ بن گئی ہے۔ نسب کی خالہ سے شادی حرام ہے تو رضاعت کی خالہ سے بھی حرام ہے۔ جس عورت کا دودھ پیا ہے' اس کا خاوند اس کا باپ ہے اور خاوند کا بھائی اس کا چچا ہے۔ چچا نسب میں بھی حرام ہے اور رضاعت میں بھی حرام ہے۔ اس باپ کی بہن اس کی پھوپھی ہے۔ پھوپھی نسب میں بھی حرام ہے' رضاعت میں بھی حرام ہے' تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب میں حرام ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں اس سے اکثر لاپرواہی برتی جاتی ہے اور اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس سلسلہ میں بے شمار روایات ہیں۔

پردے کے احکام آنے سے پہلے رشتہ دار وغیرہ گھر میں آتے جاتے تھے۔ شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی تو لوگ بھی ایسی کوئی پابندی نہیں کرتے تھے' لیکن جب پردے کا حکم آیا کہ

کوئی غیر محرم سامنے نہیں آئے گا تو ایک صاحب آئے' حضرت عائشہؓ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ خاندان کے آدمی تھے۔ بتایا کہ میں افلح ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ابھی ٹھہرو! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گی کہ تمہیں اندر آنے کی اجازت دے سکتی ہوں کہ نہیں۔ چنانچہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ افلح آئے تھے تو میں نے اجازت نہیں دی۔ آپؐ نے فرمایا' کہ آنے دیتی' وہ تمہارا چچا لگتا ہے۔ یا رسول اللہ! وہ میرا چچا کدھر سے لگتا ہے؟ فرمایا اس کے بھائی کی بیوی کا تم نے دودھ نہیں پیا؟ یا رسول اللہ! پیا ہے۔ فرمایا' تو بس وہ تمہارا چچا لگا۔ حضرت عائشہؓ مذاق سے بھی ہیں' یا رسول اللہ! دودھ تو میں نے عورت کا پیا ہے۔ فرمایا' ہاں عورت کا ہی پیا ہے' لیکن عورت کا خاوند تمہارا باپ ہے اور باپ کا بھائی تمہارا چچا ہے۔ (بخاری، رقم ۴۸۳۸) تو جیسے دوسرا چچا گھر آ سکتا ہے یہ رضاعت کا چچا بھی آ سکتا ہے۔

انصار اور مہاجرین میں مؤاخاۃ

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی جن رسموں کے خاتمے کا اعلان فرمایا' ان میں ایک رسم یہ تبنّی اور تآخی کی بھی تھی۔ یہ حضورؐ کے زمانے میں بھی ابتدا میں رہی ہے۔ باپ بیٹا بننے کی رسم حضورؐ نے اپنائی ہے اور بھائی بھائی بننے کی رسم بھی کہ انصار مدینہ کو حضورؐ نے مہاجرین کا بھائی بنایا۔ اسی پرانی رسم کے مطابق مواخات کروائی۔ اس وقت تک وراثت اور دیگر اس طرح کے تفصیلی احکامات نہیں آئے تھے۔ جب مہاجر مدینہ منورہ آئے ہیں تو سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ سینکڑوں کو سنبھالنا اجتماعی طور پر مشکل تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے آسان حل نکالا اور ایک ایک مہاجر ایک ایک انصاری خاندان کے حوالے کر دیا اور کہا کہ تم بھائی بھائی ہو۔ اسے مواخات کہتے ہیں جو کہ سیرت کے واقعات میں یہ ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ جب تک وراثت کے تفصیلی احکامات نہیں آئے' یہ ایک دوسرے کے وارث تھے۔ یعنی مہاجر فوت ہوتا تو اس کا انصاری بھائی وارث ہوتا۔ اسی طرح کوئی انصاری فوت ہوتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کا وارث ہوتا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ رہا ہے کہ جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا' حکم آنے تک وہ پرانی روایات پر عمل کرتے تھے۔ ہاں اگر حکم آ گیا تو پچھلی روایت ختم کر کے نئی بات نافذ کر دی

جاتی۔ تو مواخات حضورؐ نے خود کروائی' لیکن بعد میں پھر منع فرما دیا۔ ایک تھا تبنّی یعنی باپ بیٹا بننا' اور ایک تھا تآخی یعنی بھائی بھائی بننا۔ پھر ایک تھی موالات۔

پہلی باتیں تو آج کے ماحول میں بھی سمجھ میں آتی ہیں لیکن موالات کی بات ذرا مشکل سے سمجھ میں آئے گی۔ موالات یہ ہے کہ ایک خاندان نے ایک غلام آزاد کر دیا ہے تو وہ غلام آزاد ہو جانے کے باوجود اسی خاندان کا موالی کہلاتا ہے۔ موالی کا معنی ہے آزاد کردہ غلام۔ آزاد تو وہ ہو گیا' لیکن پھر بھی اس کا کچھ تعلق اس خاندان سے باقی رہتا ہے۔ وہ اس طرح کہ وراثت کا جو آخری درجہ ہے کہ جب خاندان کا اور کوئی وارث نہ ہو تو وراثت میں پھر موالی وارث ہوتا ہے۔ جیسے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ حضرت بریرہؓ کو حضرت عائشہؓ نے جب آزاد کروانا چاہا تو آزاد کرنے والے خاندان نے وَلا کی شرط لگائی کہ وَلا ہماری ہو گی۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ موالی تبدیل نہیں ہو سکتا' وہ جس خاندان کا موالی ہے' اسی خاندان کا رہے گا۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ کسی نے ناراض ہو کر موالی تبدیل کر لیا کہ یہ اب میرا موالی نہیں ہے۔ غلام ناراض ہو کر چلے جاتے تھے کہ میں اب اس خاندان کا موالی نہیں ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں بھئی۔ اسی طرح حضرت بریرہؓ کے شخصی واقعہ میں حضورؐ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من ادعی الی غیر ابیہ ، جو آدمی اپنے باپ سے ہٹ کر کسی اور کی طرف منسوب ہو۔ معلوم ہونا شرط ہے' کوئی مغالطہ ہے' کسی افراتفری میں نسب تبدیل ہو گیا ہے' وہ بات الگ ہے۔ لیکن اگر معلوم ہے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے اور پھر نسبت اس کی طرف کرتا ہے' وانتمی الی غیر موالیہ ، اپنے موالی سے ہٹ کر کسی اور کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ فعلیہ لعنۃ اللہ التابعۃ الی یوم القیامۃ ، اس پر اللہ کی لعنت جو قیامت تک چلتی رہے گی۔ یہ ملعونوں کا کام ہے' اس کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ یہ جاہلیت کی رسم حضورؐ نے ختم کر دی کہ آج کے بعد رشتہ وہی ہو گا جو نسب سے ہو گا' صہر سے ہو گا یا رضاعت سے ہو گا۔ آسان لفظوں میں سمجھ لیجیے کہ منہ بولے رشتے حضورؐ نے ختم کر دیے۔

اسلام کا رشتہ

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات کا اور اعلان فرمایا۔ اخوت کے جاہلی رشتوں کی نفی کی اور فرمایا: اخوت کا رشتہ تمہارے درمیان اسلام کا رشتہ ہے۔ اس پر آپؐ نے کچھ ہدایات دیں۔ قرآن کریم نے ذکر کیا: انما المومنون اخوۃ (الحجرات ۴۹: ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور آپس میں بھائیوں کے حقوق ہوتے ہیں۔ مثلاً آپؐ نے ایک حدیث میں فرمایا: ان المسلم اخو المسلم ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ لا یغشہ ، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کھوٹ کا اور بددیانتی کا معاملہ نہیں کرتا۔ 'غش' کہتے ہیں ملاوٹ کرنے کو۔ اس کا مطلب چیزوں میں ملاوٹ بھی ہے اور معاملات اور تعلقات میں ملاوٹ بھی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے دھوکے کا معاملہ نہیں کرتا۔ ولا یخونہ ، مسلمان دوسرے مسلمان کے مال میں خیانت نہیں کرتا۔ یہ خیانت کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے۔ خیانت صرف مال کی نہیں ہوتی۔ خیانت کا بڑا پہلو یہی ہے کہ مال میں لین دین میں یا امانت میں خیانت کی جائے۔ لیکن خیانت کا دائرہ زندگی کے دوسرے بہت سارے معاملات تک پھیلتا ہے۔ صرف ایک بات سے سمجھ لیں کہ خیانت کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ مثال کے طور پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: المستشار موتمن (ترمذی، رقم ۲۷۴۷) ایک آدمی نے آپ سے مشورہ طلب کیا ہے اور آپ دیانت داری سے مشورہ نہیں دے رہے تو یہ خیانت ہے۔ کسی معاملہ میں ایک مسلمان نے آپ پر اعتماد کیا اور مشورہ مانگا۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ اس کے لیے مفید مشورہ تو کچھ اور ہے لیکن آپ اپنی کسی مصلحت سے اپنے کسی مفاد کی وجہ سے غلط مشورہ دے رہے ہیں تو یہ غلط مشورہ دینا خیانت ہے۔

یا مثلاً اگر اس کو زیادہ وسیع دائرہ میں دیکھیں کہ آپ ایک آدمی کو منتخب کر رہے ہیں' کسی کو آپ نے ووٹ دینا ہے' اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ آدمی اس کا اہل نہیں ہے' آپ اپنے کسی مفاد کی وجہ سے اس کے حق میں رائے دے رہے ہیں تو یہ بالکل خیانت ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (نساء ۴: ۵۸) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو۔ اس میں ہر امانت آ جاتی ہے' چاہے یہ علم کی امانت ہو' مال کی امانت ہو' ووٹ کی امانت ہو' مشورہ کی

امانت ہو کوئی بھی امانت ہو۔ یعنی آپ ایک جگہ ووٹ دے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس کو ووٹ دے رہا ہوں یہ اس بات کا اہل تو نہیں ہے لیکن برادری کا مسئلہ ہے دھڑے کا مسئلہ ہے یہ بالکل خیانت ہے۔ تو خیانت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ میں نے یہ چند مثالیں اس لیے دی ہیں کہ خیانت صرف مال کی نہیں ہوتی۔

فرمایا مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاوٹ، خیانت اور دھوکہ نہیں کرتا۔ ولا یغتابہ، مسلمان دوسرے مسلمان کی غیبت بھی نہیں کرتا۔ غیبت پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ قرآن کریم نے بھی جہاں مسلمانوں کو بھائی بھائی کہا، وہیں یہ بھی کہا کہ ولا یغتب بعضکم بعضا (الحجرات ۴۹: ۱۲) مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کے عیب کا کسی دوسری جگہ بلا ضرورت تذکرہ نہ کیا جائے۔ قرآن پاک نے غیبت کی وضاحت فرماتے ہوئے اس کی تشبیہ یوں دی: ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ۔ بھائی کی لاش پڑی ہو تو اس لاش سے گوشت نوچ کر کھاؤ گے؟ کہ غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کی لاش سے گوشت نوچ کر کھانا۔

غیبت کا گناہ

میں نے عرض کیا تھا کہ غیبت کہتے ہی اس بات کو ہیں کہ ایک شخص میں کوئی عیب موجود ہے اور آپ بلا ضرورت اس بات کا کسی جگہ تذکرہ کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر غیبت اس کو سمجھا جاتا ہے کہ کسی کے خلاف کوئی جھوٹی بات کہہ دینا، نہیں، یہ غیبت نہیں ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ غیبت کبیرہ گناہ ہے تو ایک صحابیؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ! کسی میں اگر وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ اس شخص میں یہ عیب نہیں ہے اور ہم ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا اسی کا نام غیبت ہے۔ اگر اس میں وہ خرابی نہیں ہے آپ کسی جگہ اس کا تذکرہ کر رہے ہیں، تو بہتان ہے۔ فقد بھتہ، پھر تو تم نے بہتان باندھا ہے۔ (مسلم، رقم ۴۶۹۰) ایک آدمی میں کوئی کمزوری یا عیب نہیں ہے اور آپ اس کا تذکرہ کر رہے ہیں تو یہ سیدھا سیدھا بہتان ہے۔ غیبت تو کہتے ہی اس بات کو ہیں کہ کسی شخص میں ایک عیب موجود ہے اور آپ اس کا بلا ضرورت

تذکرہ کر رہے ہیں۔ میں نے ایک جملہ ساتھ کہا ہے 'بلا ضرورت'۔ ضرورت کے مقام پر اس کا ذکر درست ہے۔ مثلاً آپ کو عدالت کے کسی کیس میں کسی شخص پر گواہی دینی ہے تو وہاں یہ غیبت شمار نہیں ہوگی۔ یعنی کسی کیس کا فیصلہ آپ کی گواہی پر موقوف ہے تو وہاں آپ کسی شخص کی کیس سے متعلقہ خرابی کا ذکر کر سکتے ہیں۔ غیر متعلقہ کا وہاں بھی ذکر نہیں کر سکتے۔ یا پھر مثال کے طور پر کسی شخص کی کسی بات سے کسی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے تو آپ اس کے خطرہ سے دوسرے شخص کو آگاہ کر سکتے ہیں۔ یہ غیبت نہیں ہے۔ لیکن یہ بالکل آپ کی دیانت پر ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

غیبت تو ہمارے ہاں عام ہے۔ ہمارا تو کلچر ہی یہ ہے کہ جہاں دو آدمی بیٹھتے ہیں' وہاں کوئی تیسرا زیر بحث ہوتا ہے' اور اس کو پوری طرح بے نقاب کرنے میں ہم کوئی کسر چھوڑتے نہیں ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے باہمی حقوق کے خلاف ہے۔ فرمایا: ولا یغشہ ولا یخونہ ولا یغتابہ۔

ایک اور روایت میں یہ بات اس طرح فرمائی: المسلم اخوا المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (بخاری، ۲۲۶۲) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو رسوا نہیں کرتا۔ ولا یسلمہ، بڑا خطرناک جملہ ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کے حوالے بھی نہیں کرتا کہ وہ اس پر ظلم کرے اور یہ بیٹھ کر تماشا دیکھتا رہے۔ اس کو دشمن کے سپرد بھی نہیں کر دیتا کہ اس کے ساتھ جو مرضی کرے۔ یہ حضورؐ نے مسلمانوں کے آپس کے حقوق بیان فرمائے۔

اسلام وایمان کا روحانی مفہوم

پھر ایک جملہ اور ارشاد فرمایا: ساخبرکم من المسلم من المومن من المھاجر۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مومن کون ہے' مسلم کون ہے اور مہاجر کون ہے۔ مسلم' مسلمان کو کہتے ہیں۔ مومن' ایمان والا شخص' اور مہاجر جو اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کرے۔ اس کا اصطلاحی اور معروف معنٰی تو اور ہے' اور وہ معنٰی بھی خود حضورؐ نے کیا ہے۔ حدیث جبریلؑ میں حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ما الایمان؟ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ

والیوم الاٰخر والقدر خیر و شرہ ۔ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر قیامت کے دن پر اللہ کی طرف سے اچھی اور بری تقدیر پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان لاؤ۔اور اسلام کے بارے میں فرمایا کہ :ان تشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللہ وتقیم الصلوۃ وتوتی الزکوۃ و تصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا (مسلم، رقم ۹) اسلام یہ ہے کہ کلمے کا اقرار کرو نماز پڑھو زکوۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج ادا کرو۔

حدیث جبریل میں حضورؐ نے یہ مطلب بیان فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کا ایمانیات پر یقین پختہ ہو۔مسلم وہ ہے جو اسلام کے احکامات پر عمل کرتا ہے۔اور مہاجر کسے کہتے ہیں؟ ہجرت کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی ایک جگہ رہتا ہے اور وہاں وہ اپنے دین پر آزادی سے عمل نہیں کر پاتا تو وہ اس جگہ سے ایسی جگہ پر ہجرت کر جائے جہاں وہ اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکے۔ایک آدمی کو ایک جگہ نماز پڑھنے کی، قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی اور دیگر شعائر اسلام پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے تو اس کے لیے اسلام کی رو سے وہاں رہنا جائز نہیں ہے۔وہ وہاں سے کسی دوسری جگہ پر چلا جائے گا جہاں وہ شعائر اسلام پر آزادی سے عمل کر سکے۔تو اس طرح ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کے عمل کو ہجرت اور ایسے شخص کو مہاجر کہتے ہیں۔ایسے ہی جیسے حضورؐ نے خود مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی اور بہت سے صحابہؓ نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

مومن، مسلم اور مہاجر کا اصطلاحی معنی تو یہی ہے۔جو حضورؐ نے حدیث جبریل میں بیان فرمایا، لیکن یہاں ایک اور معنی حضورؐ نے فرمایا: الا اخبرکم من المسلم من المومن من المھاجر۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مومن کون ہے مسلم کون ہے اور مہاجر کون ہے۔فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ۔مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔کسی دوسرے کو ضرر دینے کی دو ہی چیزیں ہیں۔یا آدمی زبان سے کسی کو نقصان پہنچائے گا، یا ہاتھ سے نقصان پہنچائے گا۔اگر مسلمان سلامتی والا ہے اور سوسائٹی کے باقی لوگ اس کے شر سے محفوظ ہیں تو وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔پھر فرمایا: والمومن من امنہ الناس علی

موالھم و دمائھم ۔ مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں اور جانوں پر محافظ اور امین سمجھیں۔ لوگوں کا اس پر اعتماد ہو کہ یہ ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب ۔ ہجرت کا لفظی معنی ترک کرنا ہے۔ گویا مہاجر وہ ہے جو گناہ اور نافرمانی کو ترک کر دے۔ حضورؐ نے ایک اصطلاح کے دو معنی بیان فرمائے۔ ایک تو ظاہری معنی اور دوسرا اس کی روح۔ مومن ظاہراً وہ ہے جو اللہ رسول فرشتوں اللہ کی کتابوں قیامت کے دن اچھی بری تقدیر اور مرنے کے بعد آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتا ہے، لیکن اپنی روح کے اعتبار سے مومن وہ ہے کہ جس کا ایمان اتنا پختہ اور اتنا مضبوط ہو کہ لوگ اسے اپنی جانوں اور اپنے مالوں پر امین سمجھیں اور اس پر اعتماد کریں۔ مسلمان ظاہراً وہ ہے جو کلمہ پڑھتا ہے نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے، لیکن اپنی روح کے اعتبار سے مسلمان وہ ہے کہ جس کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

صوفیائے کرام کا فلسفہ

حضرات صوفیائے کرام کا فلسفہ بھی یہی ہے۔ وہ ایک چیز کے ظاہری معنی کے ساتھ اس کی روح کو بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ مثلاً ایک عمل ہے نماز پڑھنا۔ نماز کے ظاہری ارکان کیا ہیں؟ قیام ہے رکوع ہے سجدہ ہے قاعدہ ہے۔ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، لیکن جب آپ کسی اللہ والے سے پوچھیں گے تو وہ آپ کو یہ تلقین کرے گا کہ نماز میں توجہ پوری ہو خشوع و خضوع ہو فلاں بات نماز میں ہو اور فلاں نہ ہو۔ وہ نماز کے اور اوصاف بیان کرے گا اور آپ کو نماز کی روح سے آشنا کرے گا۔ اسی طرح روزہ دیکھیے۔ روزہ کا عام معنی یہ ہے کہ آدمی سحری سے افطار تک کھانے پینے کی چیزوں سے اور ازدواجی تعلقات سے بچا رہے، لیکن اللہ والے آپ کو روزہ کی روح سے آگاہ کریں گے کہ خیالات کو پاک رکھو بھئی ہاتھ کو بھی ٹھیک رکھو نگاہ بھی صحیح رکھو کانوں اور زبان کا بھی ٹھیک استعمال کرو۔ تو یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ جس طرح ایمان اور اسلام کے ظاہری معانی بیان فرمائے، اسی طرح ان کی روح بھی بیان فرمائی۔

فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ، مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ والمومن من امنہ الناس علی دمائھم واموالھم ، مومن وہ ہے کہ لوگ اسے اپنی جانوں اور اپنے مالوں پر امین سمجھیں۔ والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب ، مہاجر وہ ہے جو نافرمانی اور گناہ ترک کر دے۔ وطن چھوڑنا بھی ہجرت ہے لیکن گناہ چھوڑنا اس سے بڑی ہجرت ہے۔ بسا اوقات وطن چھوڑنا آسان ہوتا ہے جبکہ گناہ چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو مہاجر اس معنی میں کہ گناہ اور نافرمانی کا ماحول چھوڑ کر فرمانبرداری کی طرف آ جائے۔

امت مسلمہ کا اخلاقی بحران

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی حقوق کے حوالے سے ایک بات اور ارشاد فرمائی۔ دور جاہلیت میں تو اخلاقیات کا بہت بڑا بحران تھا۔ کوئی کسی کے ہاتھ سے اور کسی کی زبان کے شر سے محفوظ نہیں تھا۔ کسی کے پاس کسی کا مال یا امانت آ گئی تو ہڑپ ہو گئی۔ اگر اسے غیر متعلقہ بات نہ سمجھیں تو یہاں ایک بات ذرا سخت سی کہنے لگا ہوں۔ ہمارے آج کے مسلم معاشروں کا سب سے بڑا بحران بھی اخلاقیات کا ہی ہے۔ اگر ہم اس طرف ذرا توجہ دے سکیں تو ہماری آپس کی اخلاقیات کا بھی برا حال ہے اور دوسری اقوام کے ساتھ معاملات بھی ایسے ہی ہیں۔ ہمارے ہاں وہی شخص داؤ نہیں لگاتا جس کا داؤ لگتا نہیں ہے، اور جس شخص کا داؤ لگتا ہے وہ معاف نہیں کرتا، الا ماشاء اللہ۔ افراد کی بات نہیں کر رہا، افراد ہمیشہ مستثنیٰ رہے ہیں اور افراد کی استثنا سے ہی نظام چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی برکت سے معاملات نبھاتے رہتے ہیں۔ میں اپنے مجموعی حالات کی بات کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں آج کا سب سے بڑا بحران اخلاقیات کا ہے۔ آج ہماری بین الاقوامی سطح پر تجارتوں میں ناکامی کے اسباب میں ایک بڑا سبب بھی یہی ہے کہ ہم اخلاقیات اور دیانت کی پاسداری نہیں کر پاتے۔ ہم مال میں، لین دین میں، معاملات میں اور معاہدات میں مار کھا جاتے ہیں۔ ہم کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، بتاتے کچھ ہیں اور دیتے کچھ ہیں۔

ایک واقعہ ذہن میں آیا ہے، پتہ نہیں ذکر کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ بہرحال یہ اخلاقیات کے

حوالے سے ہی یہ ذکر کر دیتا ہوں۔ پاکستان کا ذکر کر رہا ہوں۔ ایک جگہ گزشتہ سال ایک بڑی یونیورسٹی میں مجھے لیکچر کے لیے بلایا گیا اور لیکچر بھی اخلاقیات پر تھا۔ چنانچہ میں نے وہاں لیکچر دیا۔ ان کا طریقہ ہے کہ وہ آنے والے مہمانوں کو کرایہ وغیرہ دیتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ مولانا صاحب آپ کیسے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ بھئی میں پبلک ٹرانسپورٹ پر آیا ہوں۔ پوچھا آپ کرائے کی گاڑی نہیں لائے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں، میں تو نہیں لایا۔ کہنے لگے کہ مولوی صاحب! گاڑی کا کوئی فرضی سا نمبر لکھ دیں' ہم یونیورسٹی کی مد سے آپ کو ٹیکسی کا کرایہ دے دیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ خدا کا خوف کرو بھئی! میں ایک گھنٹہ کس چیز پر لیکچر دیتا رہا ہوں؟ یعنی میرے اخلاقیات پر ایک گھنٹہ بولنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے؟ میں پبلک ٹرانسپورٹ سے آیا ہوں اور اسی سے جاؤں گا۔ میں کوئی ٹیکسی ویکسی نہیں لایا۔ تو یہ ہماری آج کی اخلاقی حالت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہم جو دنیا کی دوسری اقوام کا مقابلہ نہیں کر پا رہے، اس کے ظاہری اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم اخلاقیات کے بہت خوفناک بحران کا شکار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہدایات میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی۔ جہاں یہ فرمایا کہ دھوکہ نہیں دو گے' خیانت نہیں کرو گے' غیبت نہیں کرو گے' ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرو گے' وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا: 'الا لا تظلموا' الا لا تظلموا' الا لا تظلموا'۔ تین دفعہ فرمایا' ظلم کے راستہ پر نہ چلنا' ظلم کے راستہ پر نہ چلنا' ظلم کے راستہ پر نہ چلنا۔ اور یہ کہہ کر پھر فرمایا: 'اسمعوا منّی تعیشوا'۔ اللہ اکبر۔ اس کا محاورہ کا ترجمہ کروں گا: ''میری بات سن لو زندگی پا جاؤ گے''۔ زندگی اسی میں ہے کہ ظلم کا راستہ اختیار نہ کرنا' کسی پر زیادتی نہ کرنا' کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کرنا۔ اس کے بعد پھر بالخصوص فرمایا: الا لا تظالموا، عمومی طور پر بھی ظلم کا راستہ اختیار نہ کرنا اور بالخصوص آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ ناانصافی' ظلم اور زیادتی چھوڑ دو گے تو سوسائٹی کی زندگی اسی میں ہے' معاشرے کی حیات اس میں ہے۔ تو فرمایا: اسمعوا منّی تعیشوا، میری بات سن لو زندگی پا جاؤ گے۔

حج کے ساتھ عمرہ کی سہولت

حضورؐ نے اس موقع پر حج کیا تو حج کے ساتھ آپؐ نے عمرہ بھی ادا کیا۔ پہلے آپ نے عمرہ ادا کیا

اور پھر بعد میں حج کیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی پہلے عمرہ ادا کیا اور پھر حج کیا۔ لیکن اس میں فرق تھا۔ اس زمانہ میں یہ معمول تھا کہ اصحاب ذوق اپنے گھر سے قربانی کا جانور لے کر چلتے تھے' کہ وہاں منٰی میں ذبح کریں گے۔ یہ کوئی فرض واجب نہیں ہے' لیکن ایک اچھی بات ہے۔ اس کو ہدی کا جانور کہتے ہیں اور اس کا بڑا ثواب اور اجر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہدی ساتھ لے کر گئے تھے۔ پھر یمن سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو وہ بھی حضورؐ کے لیے ہدی کے جانور لے کر آئے۔ آج کل ایسا کرنا مشکل ہے۔ سعودیہ والے تو کر سکتے ہیں لیکن باہر والے نہیں کر سکتے۔ یہاں سے آپ گائے یا اونٹ لے کر جانا چاہیں گے تو مشکل ہو جائے گا۔ لیکن بہر حال اگر کوئی لے جا سکے تو بڑے اجر و ثواب کی بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی صحابہ کو حکم دیا کہ جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ لائے ہیں وہ تو جب تک ہدی کا جانور قربانی والے دن ذبح نہیں ہوگا' تب تک وہ اپنا احرام نہیں کھولیں گے اور ان کا جو حج ہے وہ حج قران ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے عمرہ ادا کیا اور پھر اسی احرام میں حج بھی ادا کیا۔ ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج دونوں ادا کرنے کو قران کہتے ہیں۔ اس کی نیت ابتدا میں ہی کرنی ہوتی ہے کہ یا اللہ میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت کر رہا ہوں۔ حضورؐ نے خود یہی کیا تھا اور سب سے زیادہ اجر اور ثواب اسی کا ہے۔ یہ کام ہے ذرا مشکل۔ احرام کی پابندیاں قائم رکھنا آسان نہیں رہتا' لیکن اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔ بہر حال باقی صحابہ کو حضورؐ نے حکم دے دیا کہ تم عمرہ ادا کرو اس کے بعد احرام کھول دو اور عام کپڑوں میں احرام کی پابندیوں کے بغیر چلو پھرو۔ یوم الترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ کو پھر احرام باندھنا اور ارکان حج ادا کرنا۔ اس قسم کے حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی ہے: فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی (بقرہ ۲: ۱۹۶) یہ حج ذرا سہولت والا ہے کہ اس حج میں جانے والا صرف نیت کی عمرہ کر کے جائے' اور پھر عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے۔ اس کے بعد حج کے دن آئیں تو حج کے لیے پھر الگ سے احرام باندھے۔ اگر کسی شخص نے حج اور عمرہ کی اکٹھی نیت کر لی ہے تو وہ حج قران ہو جائے گا۔ اور اگر کسی شخص نے صرف حج کی نیت کی ہے تو وہ حج کی تیسری قسم ہے اسے حج افراد کہتے ہیں۔ اور احرام اس میں بھی نہیں کھلے گا

جب تک حج ادا نہ کرنے چاہے دو مہینے وہاں رہے۔ ہاں اگر پہلے صرف عمرہ کی نیت کی ہے تو پھر عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھولنے کی اجازت ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدی کے جانور ساتھ لے کر گئے اور فرمایا کہ میں اگر ہدی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی احرام کھول دیتا، لیکن میں چونکہ ہدی کے جانور ساتھ لایا ہوں' اس لیے میں احرام نہیں کھولوں گا البتہ تم لوگ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دو۔ پھر بعد میں حج کے لیے الگ احرام باندھ لینا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن سے آئے' آتے ہی وہ حضورؐ سے ملے تو حضورؐ نے پوچھا کہ بھئی احرام باندھتے وقت کیا نیت کی تھی؟ کہا' یارسول اللہ! میں نے تو نیت کی تھی کہ جو نیت امام کی وہی نیت میری۔ یعنی میں نے نیت کی تھی کہ جو نیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، وہی نیت میری ہے۔ آپؐ نے پوچھا' ہدی ساتھ لائے ہو؟ کہا' یارسول اللہ! لایا ہوں۔ فرمایا' ٹھیک ہے' تم احرام اب میرے ساتھ ہی کھولو گے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یمن سے ہی آئے تھے۔ ان سے حضورؐ نے پوچھا کہ ابوموسیٰ کیا نیت کی ہے؟ کہا' یارسول اللہ! میں نے بھی وہی نیت کی ہے جو آپ کی نیت ہے۔ میں نے احرام باندھتے وقت نیت کی تھی کہ یا اللہ! جو نیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، وہی نیت میری ہے۔ حضورؐ مدینہ سے تشریف لا رہے تھے اور ابوموسیٰ اشعریؓ یمن سے آ رہے تھے۔ آپؐ نے پوچھا' ہدی کا جانور ساتھ لائے ہو؟ کہا' یارسول اللہ! وہ تو ساتھ نہیں لے کر آیا۔ فرمایا' تم احرام کھول دو' تمہاری نیت میرے والی نہیں ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کو اجازت دے دی کہ چونکہ تم ہدی کا جانور ساتھ لے کر آئے ہو، اس لیے تم میرے ساتھ ہی حج کے بعد احرام کھولو گے۔ اور ابوموسیٰؓ چونکہ ہدی کا جانور ساتھ نہیں لائے تھے' اس لیے ان سے کہا کہ عمرہ ادا کرو' احرام کھول دو' اور پھر حج کے لیے الگ سے احرام باندھنا۔

یہ ایک تبدیلی آئی تھی عرب معاشرے میں حج اور عمرہ کے حوالے سے۔ اس سے پہلے حج کے دنوں میں' حج کے مہینے میں عمرہ ادا کرنے کو لوگ معیوب سمجھتے تھے۔ کہتے تھے کہ حج کے دنوں میں صرف حج' اور باقی سارا سال عمرہ کے لیے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کہا کہ پہلے

عمرہ ادا کر کے احرام کھول دو تو لوگوں کو تعجب ہوا۔ لوگوں نے سمجھا کہ چونکہ بہت مدت بعد آنے کا اتفاق ہوا ہے، اس لیے حضورؐ نے بطور خاص اجازت دی ہے کہ چلو اس دفعہ ان ایام میں حج اور عمرہ دونوں ادا کر لو۔ لیکن حضورؐ نے حج کے ایام میں صرف حج ادا کرنے کی یہ رسم توڑ دی۔ سراقہ ابن مالکؓ نے پوچھا: ھی لنا او للابد؟ یہ رعایت کہ حج کے لیے آئے ہیں تو ساتھ عمرہ بھی کر لیں، یہ صرف ہمارے کے لیے خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ فرمایا: ہل للابد (بخاری، رقم ۲۳۲۲) یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ تو ایک تبدیلی حج کے حوالے سے یہ آئی۔

قریش کی امتیازی روایت کا خاتمہ

ایک اور طریقہ جو حج کے حوالے سے چلا آ رہا تھا' یہ تھا کہ قریش عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ حج کی ترتیب تو یہ ہے کہ منیٰ میں چند دن رہتے ہیں' اس دوران نو ذی الحج کو عرفات جاتے ہیں' شام کو مزدلفہ جاتے ہیں اور مغرب وعشا اکٹھی پڑھتے ہیں' پھر رات کو مزدلفہ میں ہی رہتے ہیں' اور صبح کو فجر پڑھ کر وہاں سے نکلتے ہیں۔ سب لوگ عرفات جاتے تھے لیکن قریش نہیں جاتے تھے۔ کہتے تھے: نحن حُمس۔ اس کا ترجمہ میں یوں کرتا ہوں کہ "ہم وی آئی پی ہیں"۔ مطلب یہ تھا کہ ہم بہادر لوگ ہیں' ممتاز لوگ ہیں۔ چونکہ قریش کا ہی وہاں کنٹرول تھا' اور واقعتاً وہ بہت بڑا قبیلہ سمجھا جاتا تھا اور عرب میں ان کو بڑا احترام حاصل تھا۔ چنانچہ قریشیوں نے اپنے کچھ امتیازات رکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ وہ حرم کی حدود سے باہر نہیں جاتے تھے۔ منیٰ اور مزدلفہ کا ایک کونہ حرم میں ہے جبکہ باقی عرفات جو ہے وہ حرم سے باہر ہے۔ تو قریش حرم کی حدود سے باہر نہیں جاتے تھے کہ نحن حُمس، ہم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ کہ یہ حرم کی حدود سے باہر جانا عام لوگوں کے لیے ہے' ہمارے لیے نہیں ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رسم توڑ دی۔ اگر حج میں بھی یہ امتیازات ختم نہیں ہوں گے اور وی آئی پی سسٹم باقی رہنا ہے تو پھر یہ ختم کب ہوگا۔ حج ہی تو وہ موقع ہے کہ جس پر اللہ سب کو دو چادریں پہنا دیتا ہے۔ تھری پیس والا بھی دو چادریں پہنے گا اور لنگوٹی والا بھی دو چادریں پہنے گا۔ یہی تو مقام ہے مساوات کا۔ اس موقع پر صحیح معنوں میں مساوات کا منظر نظر آتا ہے کہ کوئی غریب

ہے کوئی امیر ہے کوئی گورا ہے کوئی کالا ہے کوئی حاکم ہے کوئی فقیر ہے کوئی عربی ہے کوئی عجمی ہے لیکن ہیں سب دو چادروں میں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ میں وقوف عرفات کے لیے جاؤں گا اور پھر آپ تشریف لے گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں تھے تو وہاں بھی آپ قریش کی روایت کے برعکس وقوف عرفات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، جیسا کہ جبیر ابن مطعمؓ کی ایک روایت میں بیان ہوا ہے۔ یہ جبیر ابن مطعم ابن عدی کے بیٹے ہیں جو مشرک سرداروں میں سے تھے۔ جب طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے گئے تھے آپ زخمی ہو گئے تھے تو راستے میں مطعم ابن عدی کا ڈیرا تھا اور اس نے آپ کو پناہ دی تھی۔ حضورؐ اس کا بڑا احسان مانتے تھے۔ بدر کے موقع پر حضورؐ نے اس کے احسان کا ذکر کیا۔ مطعم بڑے سردار تھے بڑے آدمی تھے لیکن کفر کی حالت میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ جبیرؓ ان کے بیٹے تھے جو مسلمان ہوئے اور صحابیٔ رسول تھے۔ طائف سے جب حضورؐ زخمی ہو کر واپس آئے تو راستے میں اس کا باغ تھا اس نے حضورؐ کو پناہ دی اور لوگوں کو ہٹایا کہ نہیں بھئی اب یہ میری پناہ میں ہیں ان کے نزدیک کوئی نہ آئے۔ بدر کے موقع پر جب قیدیوں کا مسئلہ پیش آیا تو حضورؐ نے ایک جملہ فرمایا کہ اگر مطعم زندہ ہوتا اور وہ ان قیدیوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی سفارش کو قبول کر لیتا۔ یعنی میں ان سے فدیہ نہ لیتا اور ان کو ویسے ہی معاف کر دیتا۔ (بخاری، رقم ۲۹۰۶)

جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حج کے موقع پر میرے کچھ اونٹ گم ہو گئے تھے میں ان کی تلاش کے لیے گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ محمدؐ عرفات میں موجود ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ تو حُمس میں سے ہیں یہ عرفات میں کیا کر رہے ہیں؟ (بخاری، ۱۵۵۳) یہ تو قریشی اور ہاشمی ہیں۔ قریشی تو ممتاز لوگ ہوتے ہیں اور حرم کی حدود سے باہر نہیں آتے۔ مسند احمد کی روایت (رقم ۱۶۱۷۵) میں تصریح ہے کہ یہ آپ کو نبوت ملنے کے بعد کا واقعہ ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رسم بھی توڑ دی۔ قرآن کریم میں بھی یہ حکم آیا ہے کہ ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفروا اللہ (بقرہ ۲:۱۹۹) کہ تم بھی وہیں وقوف کرو

جہاں باقی لوگ کرتے ہیں' کوئی امتیاز نہیں ہے۔

ننگے طواف کی جاہلی رسم

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رسم اور بھی توڑی۔ اس کا اعلان تو پہلے ہی فرما دیا تھا۔ قریش نے اپنا ایک اور امتیاز قائم رکھا ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ بہت سے قبائل کے لوگ اس زمانے میں بیت اللہ کا طواف کرنے آتے تو ننگے طواف کرتے۔ مرد بھی اور عورتیں بھی۔ عورتوں نے برائے نام سے کوئی لنگوٹی پہنی ہوتی تھی جبکہ مرد بالکل ننگے ہوتے تھے۔ دلیل ان کی یہ ہوتی تھی کہ ہم نیچرل حالت میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے شاید اسے کوئی نیچرل کلب سمجھ رکھا تھا۔ کہتے تھے کہ جس حالت میں ہم دنیا میں آئے تھے، اسی حالت میں ہم اللہ کے گھر کا طواف کرتے ہیں۔ قریش جس کو چاہتے تھے لباس پہنا دیتے تھے۔ قریشیوں نے اپنا یہ اعزاز رکھا ہوا تھا کہ وہ جس کو کرتا' چادر دے دیں وہ پہن لیتا تھا جبکہ باقی بغیر کپڑوں کے ہی رہتے تھے۔ اس بات کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا کہ مجھے قریش نے لباس پہنایا ہے۔ بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ننگی حالت میں طواف کرنے کو ختم ہی کروا دیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے اس کا اعلان اس سے پچھلے سال ۹ ہجری کو ہی کروا دیا تھا کہ اگلے سال کوئی مرد یا عورت اس حالت میں طواف نہیں کرے گا۔ عورت کے لیے پورا لباس ضروری ہو گا جبکہ مرد کے لیے دو چادریں۔ تو یہ رسم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر توڑ دی۔

اسلام کا نظامِ سیاست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر اور ہدایات فرمائیں، ان میں ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ آپ نے فرمایا: اسمعوا واطیعوا وان أمر علیکم عبد حبشی مجدع اقام فیکم کتاب اللہ۔ بات سنو اور بات مانو۔ یہ نہ دیکھو کہ تمہارا امیر کون ہے۔ کالا ہے' گورا ہے' عربی ہے' عجمی ہے' اپنے امیر کی بات مانو۔ اگر چہ تم پر ناک کٹا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ یہ ناک کٹا ہونا ایک محاورہ ہے۔ ہاں شرط یہ ہے: اقام فیکم کتاب

اللہ ، اگر کتاب اللہ کے مطابق تم پر حکومت کرتا ہے تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا کہ امیر کے لیے کتاب اللہ کا پابند ہونا ضروری ہے۔ باقی جو لوگوں کے امتیازات ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑی تبدیلی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کی۔ علمائے سیاسیات اس پر بڑی بحث کرتے ہیں۔ حضور حکمران بھی تھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کیا سسٹم دیا ہے؟ ہم اس کو خلافت کا سسٹم کہتے ہیں۔ خلافت کا لفظی معنی نیابت ہے، لیکن یہ خلافت 'نیابت کس کی؟ بڑا لطیف اور بڑا باریک فرق ہے۔ اللہ کا خلیفہ یا رسول اللہ کا خلیفہ؟ دونوں میں بڑا اور بنیادی فرق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ایک شخص نے کہہ دیا: یا خلیفة اللہ، اے اللہ کے خلیفہ! فرمایا: لست بخلیفة اللہ ولکنی خلیفة رسول اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۰۴۸) نہیں بھئی میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں۔

اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب ہے کہ بندہ اللہ کا نمائندہ بن کر حکومت کرے۔ اسی کو تھیا کریسی کہتے ہیں، جس طرح کسی زمانے میں پاپائے روم کی حکومت ہوتی تھی، یعنی اللہ کا نمائندہ۔ وہ جو کہہ دے، وہ خدا کی طرف سے سمجھا جائے۔ امام کے اللہ کا نمائندہ ہونے کا بھی یہی مطلب ہے۔ یعنی اس کا اللہ سے جوڑ ہے وہ جو کہے گا وہ اللہ کی طرف سے کہا تسلیم ہوگا اور اسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے دو باتیں بڑی وضاحت سے کہیں۔ پہلی بات یہ کہ لست بخلیفة اللہ ولکنی خلیفة رسول اللہ۔ میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں۔ مجھے کوئی خدائی اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ میں تم پر امیر بنا دیا گیا ہوں لست بخیر کم ، میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں تمہارے جیسا ہی ہوں۔ یہ ان کی عاجزی اور تواضع تھی۔ امرت علیکم، تم پر امیر بنا دیا گیا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق چلوں گا۔ اگر میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق چلوں تو میرا ساتھ دو۔ وان انا زغت فقومونی ، اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ (طبرانی، المعجم الاوسط، رقم ۸۵۹۷) میں خدا کا نمائندہ نہیں ہوں رسول اللہ کا نمائندہ ہوں۔ حضور کا خلیفہ ہوں۔ قرآن کریم اور

سنت رسول کا پابند ہوں۔ اگر اس کے مطابق چلوں تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ میرا ساتھ دو۔ وان انا زغت ، اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں' صحیح راستہ سے ہٹ جاؤں' قرآن کریم اور سنت رسول کی پابندی نہ کرسکوں، فقوّمونی۔ بڑا عجیب جملہ فرمایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بتا دو کہ میں غلطی پر ہوں۔ کہا' مجھے سیدھا کر دو۔

اسلامی ریاست میں رائے عامہ کا کردار

مطلب یہ ہے کہ رائے عامہ کو یہ اختیار اور قوت حاصل ہے کہ وہ حاکم وقت کو قانون اور دستور کے خلاف نہ چلنے دے۔ گویا خلافت اسلامی شخصیت کی بجائے دلیل اور قانون کی حکومت کا نام ہے۔ یہاں سے اصولیین بہت سے اصول اخذ کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اسلام کی حکومت پبلک کے سامنے جواب دہ ہے۔ پبلک کو حاکم کے احتساب کا حق حاصل ہے۔ حاکم اپنی مرضی کا مختار نہیں ہے بلکہ قانون اور دستور کا پابند ہے۔ وہ قرآن وسنت کے دائرہ میں رہے گا۔ اگر وہ اس دائرہ میں نہیں رہے گا تو کسی کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اس سے پوچھے کہ کیا کر رہے ہو بھائی؟

آج اصل صورت حال کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔ اشارات بہت کیے مصلے پر کھڑا کیا' حج کا امیر بنایا' لیکن جب نامزد کرنے کی باری آئی تو بخاری شریف کی روایت ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں ابوبکر کو بلاؤں اور ان کے بارے میں وصیت کر دوں، لیکن پھر میں نے سوچا کہ :یأبی اللہ والمومنون الا ابا بکر (بخاری، رقم ۵۲۳۳) اللہ بھی ابوبکر کے سوا کسی کو نہیں بنائے گا اور مسلمان بھی ابوبکر کے سوا کسی کو منتخب نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی تو بنیاد ہی اس پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا اور اپنے جانشین کا انتخاب کس پر چھوڑ دیا۔ اگر حضورؐ اپنا خلیفہ نامزد کر دیتے' تو پھر اس کے بعد نامزدگی ہی چلتی رہتی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ لیکن امیر کی اطاعت تب کرو جب وہ تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق اور میری سنت کے

مطابق حکومت کرے۔ اس موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دوسرا پہلو ذکر کیا۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مسلمان حاکم کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق حکومت کرتا ہے تو اس کی اطاعت کرو تمہارا مفاد اگر مجروح ہوتا ہے تب بھی اس کی اطاعت کرو تم پر ظلم کر رہا ہے تب بھی اطاعت کرو صبر کرو اور برداشت کرو تاکہ فتنہ وفساد نہ پیدا ہو۔ ہاں اگر کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اطاعت واجب نہیں ہے۔ (بخاری، رقم ۶۵۳۲) اس کی پھر الگ تفصیل ہے جس کا اس وقت موقع نہیں۔

فتنوں سے خبردار کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں ہدایات دیں نصائح فرمائے تلقین فرمائی قواعد وضوابط بیان فرمائے، وہاں امت کو آنے والے فتنوں سے بھی آگاہ کیا۔ یہ بھی دین کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ سینکڑوں روایات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو آنے والے دور کے فتنوں سے آگاہ کیا۔ بخاری کی ایک روایت میں حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ مدینہ میں ایک بڑی حویلی کی دیوار پر کھڑے تھے۔ مدینہ میں بڑی حویلیاں یا چھوٹے قلعے ہوتے تھے۔ ہم دیوار کے اس طرف کھڑے تھے۔ فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں مجھے دیوار کے اس طرف کیا نظر آ رہا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: انی لأری مواقع الفتن خلال بیوتکم کمواقع القطر (بخاری، رقم ۱۷۴۵) میں فتنوں کو تمہارے درمیان برستا ہوا دیکھ رہا ہوں ایسے جیسے بارش برستی ہے۔ یعنی فتنے تمہارے درمیان اتنی کثرت سے آئیں گے جیسے بارش کے قطرے آتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں فرمایا کہ جب فتنوں کا زمانہ آئے گا تو فتنے یوں گریں گے جیسے تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور اس میں سے دانے گرنے لگیں۔ یعنی ایک فتنہ کھڑا ہوا اسے ابھی بجھنے کی کوشش کر رہے ہوں گے کہ دوسرا فتنہ سامنے آ جائے گا۔ اس سے ابھی نمٹنے کی بات ہو رہی ہوگی کہ تیسرا آ جائے گا۔ تو فرمایا کہ بارش کے قطروں اور تسبیح کے دانوں کی طرح فتنے تم پر برسیں گے۔ ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ فتنوں میں یہ کیفیت بھی آئے گی کہ وہاں دین اور حق کی بات کرنا اپنے آپ کو مسلمان کہنا اتنا مشکل ہو جائے گا کالقابض علی الجمر

(ترمذی، رقم ۲۱۸۶) جیسے انگارے ہاتھ میں لینا ہو۔ حضورؐ نے فتنوں کی سینکڑوں نوعیتیں بیان فرمائیں۔

مسیح دجال کا فتنہ

ان میں سے ایک بڑے فتنے کا ذکر حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کیا۔ اس کو دجال کا فتنہ کہتے ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دعا میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے تھے اور ہمیں بھی اس کی تلقین فرمائی ہے۔ اعوذ بك من فتنة المسيح الدجال (بخاری، رقم ۷۸۹) میں مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ مسیح دو شخصیتوں کا لقب ہے۔ دونوں ایک ہی زمانہ میں آئیں گے۔ دونوں کا ٹکراؤ ہوگا۔ ایک مسیح دوسرے مسیح کو قتل کر دے گا۔ دونوں کو مسیح کہا گیا ہے۔ ایک مسیح الدجال اور دوسرے مسیح ابن مریم علیہما الصلوٰۃ والتسلیمات۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے۔ فرمایا کہ ایک بہت بڑا دجال امت میں آئے گا اور دجل اور فتنہ پھیلائے گا۔ وہ امت کی ایک بڑی تعداد کو گمراہ کر دے گا۔ آپؐ نے امت کو خبردار کیا کہ اس سے بچنا۔ راوی کہتے ہیں کہ ذکر المسيح الدجال واطنب في ذكره، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا بڑا تفصیل سے ذکر کیا۔ اس کی نشانیاں بیان کیں اس کی علامتیں بیان کیں۔ اور فرمایا: ما بعث الله من نبي الا وقد أنذره قومه۔ اللہ کے ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو اس کے فتنے سے خبردار کیا ہے۔ اور میں بھی تمہیں خبردار کرتا ہوں اور تمہیں ایک بات زائد بتاتا ہوں کہ وہ تم میں آئے گا کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ امت میں آنے والے فتنے علم دین کا مستقل شعبہ ہیں۔ حدیث کی کوئی کتاب کھول کر دیکھ لیں آپ کو ایک مستقل باب ملے گا۔ ابواب الفتن اور کتاب الفتن وغیرہ کے نام سے۔ ان میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی ارشادات مذکور ہیں جو فتنوں کے حوالے سے ہیں۔ اور میں یہ اکثر ذکر کیا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو مختلف ذوق عطا فرماتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں یہ ذوق حضرت حذیفہؓ کا تھا۔ جس طرح احادیث کا یاد کرنا ابو ہریرہؓ کا ذوق تھا، قرآن

کریم کی تفسیر و تاویل حضرت ابن عباسؓ کا ذوق تھا' استنباط' اجتہاد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ذوق تھا' قرأت حضرت ابی ابن کعبؓ کا ذوق تھا۔ مختلف صحابہؓ کے مختلف ذوق تھے۔ فتنوں کے حوالے سے باتیں معلوم کرنا اور دوسروں کو بتانا حضرت حذیفہؓ کا ذوق تھا۔

حضرت حذیفہ کا ذوق

حذیفہؓ ابن الیمان اپنا ذوق خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: کان الناس یسألون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر و کنت اسألہ عن الشر (بخاری، رقم ۳۳۳۸) حضورؐ کے باقی صحابہ حضور سے جب پوچھتے کوئی خیر کی بات پوچھتے اور میں جب پوچھتا شر کی بات پوچھتا۔ کیا مطلب؟ شر سے مراد یہ ہے کہ یارسول اللہ! خرابیاں کیسے پیدا ہوں گی؟ فتنے کیسے پیدا ہوں گے؟ ان فتنوں اور خرابیوں سے ہم کیسے نمٹیں گے؟ کہا کہ میں اس طرح کی باتیں زیادہ پوچھتا تھا۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطابؓ بیٹھے ہوئے تھے' صحابہؓ کی مجلس تھی۔ پوچھا' کہ بھئی تم میں سے کون آدمی ہے جو فتنوں کے بارے میں حضورؐ کے ارشادات کو زیادہ جانتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا: انا، جی میں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' مجھے بھی یہی لگتا تھا کہ تمہیں ہی اس بارے میں زیادہ پتہ ہوگا' تو پھر ہمیں بتاؤ کہ فتنوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ یعنی جب فتنے شروع ہوں گے تو کیا ہوگا؟ حضرت حذیفہؓ کہنے لگے یا حضرت! میں نے حضورؐ سے بہت سی باتیں پوچھی ہیں۔ بعض فتنے ایسے ہیں کہ جن کا کفارہ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' صدقہ وغیرہ ہے۔ یعنی کوئی مسلمان شخصی طور پر کسی فتنے کا شکار ہو تو ان کا کفارہ نیک اعمال ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا' نہیں بھئی! میں ان فتنوں کے بارے میں پوچھ رہا' میں تو اجتماعی فتنوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ تموج کموج البحر، میں جس فتنے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں وہ تو سمندر کی موجوں کی طرح جوش مارتا ہوگا۔ میں تم سے شخصی خرابیوں کے بارے میں نہیں پوچھ رہا۔ تو حضرت حذیفہؓ کہنے لگے یا حضرت! آپ تسلی رکھیں آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان ایک بڑا مضبوط دروازہ ہے اور وہ دروازہ بند ہے۔ حضرت عمر سمجھ گئے کہ یہ بات خود ان کی ذات کے

بارے میں ہے۔ حضرت عمرؓ خود فتنوں کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ میں حضرت عمرؓ کو ڈنڈے والا خلیفہ کہا کرتا ہوں۔ اللہ کا ایک پیغمبر ڈنڈے والا (حضرت موسیٰؑ) تھا اور رسول اللہؐ کا ایک خلیفہ ڈنڈے والا تھا۔

حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا' یہ بتاؤ کہ یہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا۔ یہ کوڈ ورڈز میں بات ہو رہی تھی۔ پوچھا: یفتح او یکسر، کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: بل یکسر، یہ دروازہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اذا لا یغلق ابدا، یہ دروازہ توڑ دیا گیا تو پھر کبھی بند نہیں ہوگا۔ (بخاری، رقم ۴۹۴) اب باقی صحابہؓ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کسی نے بعد میں حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے؟ یہ دروازہ اور اس کے ٹوٹنے کا معاملہ کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں حضرت عمرؓ کو بتا رہا تھا کہ فتنوں کی راہ میں رکاوٹ یہ خود حضرت عمرؓ کی ذات ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں شہید کیا جاؤں گا یا طبعی موت مروں گا۔ تو میں نے بتایا کہ آپ شہید ہوں گے۔ یہ دروازہ ٹوٹے گا۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے حدیث کی رو سے یہ بات کہی ہے' کوئی بجھارت نہیں ڈالی۔ تمہارے لیے شاید یہ بجھارت ہو لیکن جس سے میں بات کر رہا تھا وہ میری بات سمجھ رہے تھے۔

تو حضرت عمرؓ کا وجود فتنوں کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ ایک اور واقعہ حضرت عمرؓ کے حوالے سے اور یاد آ گیا۔ خالد ابن ولیدؓ شام کے فاتحین میں سے ہیں۔ جب دمشق فتح ہوا تو آپ شام میں ہی بس گئے۔ ان کی قبر بھی شام میں ہی ہے۔ ایک دن ایسے ہی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے دوستانہ انداز میں اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہے تھے کہ یار امیر المومنین کو دیکھو کہ ہم نے لڑ لڑ کر شام فتح کیا' فلاں لڑائی لڑی فلاں لڑائی لڑی اور اب جب شام کا کنٹرول مکمل ہو گیا ہے اور شام نے شہد اور گندم مدینہ بھیجنی شروع کر دی ہے تو امیر المومنین حضرت عمرؓ کسی اور کو شام کا گورنر بنا رہے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ تم ہندوستان جاؤ۔ حضرت عمرؓ کا شاید ہندوستان کوئی لشکر وغیرہ بھیجنے کا منصوبہ ہوگا۔ شام کا گورنر بنایا گیا تھا یزید ابن ابی سفیان کو۔ اس پر ایک ساتھی نے حضرت خالد ابن ولیدؓ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ ہندوستان جہاد پر نہیں جانا چاہتے تو آپ انکار کر دیں۔ ایک دوسرا آدمی

بولا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے اس طرح امیر المؤمنین کے حکم سے انکار کرنے پر فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اگر حضرت عمرؓ حکم دیں کہ پرچم پکڑو اور ہندوستان لڑنے کے لیے جاؤ لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ ایسا کرنے سے انکار کر دیں تو اس بات سے فتنہ پیدا ہو گا۔ اس نے جونہی یہ کہا تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے فوراً جواب دیا نہیں بھئی! اما فی عهد عمر فلا، عمرؓ کے زمانے میں فتنہ نہیں پیدا ہو گا۔ یہ بڑا عجیب جملہ ہے۔ حضرت عمرؓ کو اتنا بڑا اخراج عقیدت حضرت خالد بن ولیدؓ ہی پیش کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا تسلی رکھو بھی، عمرؓ کے زمانے میں تو ایسا نہیں ہو گا بعد میں دیکھا جائے گا۔

تو خیر میں فتنوں کے حوالے سے بات کر رہا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر دجال کے فتنے کا ذکر کیا اور اپنی امت کو خبردار کیا کہ دجال کا فتنہ جب ظاہر ہو گا تو اس کے شر سے اور اس کے دجل سے بچ کر رہنا۔ یہ کیسے ہو گا؟

قرآن وسنت کے ساتھ بے لچک وابستگی

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصولی بات فرمائی اس پر میں جو بات آخر میں ذکر کر رہا ہوں میری اب تک حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بارے میں ساری گفتگو کا خلاصہ اس ایک جملہ میں آ گیا ہے۔ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں ہمیں اور بہت سی نصیحتیں فرمائیں تلقینات فرمائیں وہاں یہ فرمایا کہ فاعقلوا ايها الناس ! واسمعوا قولی۔ لوگو میری بات سنو اور میری بات سمجھو۔ انی قد بلغت، میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیغام تمہارے لیے دیا تھا وہ پیغام میں نے تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اور اب میں تم میں دو باتیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ترکت فيكم ما ان تمسكتم به فلن تضلوا ابدا، میں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر ان چیزوں کو مضبوطی سے تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیزیں کون سی؟ فرمایا: كتاب الله وسنة نبيه، اللہ کا قرآن اور اللہ کے پیغمبر کی سنت۔ فرمایا کہ قیامت تک کے لیے تمہیں یہ راہنما دے کر جا رہا ہوں۔ ایک دوسرے مقام پر اپنے وصال سے چند دن پہلے بھی یہ جملہ ایک اور موقع پر بھی فرمایا: انی ترکت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة نبيه (موطا امام مالک، رقم ۱۳۹۵) میں دو

چیزیں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں' جب تک ان دو چیزوں کو تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے' گمراہ نہیں ہو گے۔ گمراہ اسی وقت ہو گے جب ان کو چھوڑ دو گے۔ قرآن کریم اور سنت رسول۔

ایک اور روایت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ایک اور انداز سے بیان فرمائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ سے روایت ہے' جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یأتی علی النّاس الزمان، ایک زمانہ ایسا آئے گا، لا تطاق المعیشة فیه الا بالمعصیة، گناہ کے بغیر زندگی بسر کرنا کسی کی طاقت میں نہیں ہو گا۔ ہر طرف گناہ کا دور دورہ ہو گا۔ زندگی گزارنے کا جو طریقہ بھی اختیار کرو گے' گناہ اس کا گھیراؤ کیے ہوئے ہو گا۔ فرمایا: فاذا کان کذالك الزمان فعلیکم بالهرب ، جب ایسا زمانہ آ جائے تو تم بھاگ جانا۔ لفظی ترجمہ یہی ہے۔ 'ھرب' بھاگنے کو کہتے ہیں۔ اگر ایسا زمانہ آ جائے تو تم پر لازم ہے کہ بھاگ جاؤ۔ اب بھاگ کر کدھر جائیں؟ خرابی اگر کسی شہر میں ہو تو شہر چھوڑ جائیں' ملک میں ہو تو ملک چھوڑ جائیں' ایک براعظم میں ہے تو براعظم چھوڑ دیں' لیکن آپ تو زمانہ فرما رہے ہیں۔ چلو اگر ایک علاقہ میں ایسی بات ہو تو علاقہ چھوڑ دیں' کیونکہ ہجرت تو اسی کا نام ہے کہ ایک جگہ اسلامی تعلیمات کی رو سے زندگی گزارنا ممکن نہ رہے تو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں چلے جائیں۔ لیکن آپ تو فرما رہے ہیں: اذا کان کذالك الزمان کہ جب ایسا زمانہ آ جائے۔ تو آپؐ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ فعلیکم بالهرب الی الله والی کتاب الله و الی سنة نبیه۔ (الدیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۸۶۸۷) اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبر کی سنت کی طرف بھاگ کر جانا۔ یہ تمہاری پناہ گاہ ہو گی۔ فتنوں اور خرابیوں کی زمانے میں جب ایمان بچانا مشکل ہو جائے گا' جب مسلمان کے لیے اپنا اخلاق بچانا مشکل ہو جائے گا' جب ہر طرف سے فتنے مسلمان کو گھیر لیں گے اور مسلمانوں کے لیے ابتلائیں اور مشکلات ہوں گی تو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت تمہاری پناہ گاہ ہو گی۔ اس طرف بھاگ کر آؤ گے تو بچ جاؤ گے ورنہ دنیا میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

تو یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایها النّاس واسمعوا قولی ، لوگو میری بات سمجھو' میری بات سنو۔ انی قد بلغت ، میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔

وترکت فیکم ، اور میں نے تم میں ایسی چیز چھوڑی ہے۔ ان اعتصمتم به ، اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا۔ لن تضلوا ابدا ، کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ فرمایا: کتاب اللّٰہ و سنۃ نبیہ ، اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبر کی سنت۔

حضرات محترم! جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو ارشادات فرمائے ان کے بھی اہم حصے کسی ترتیب کے بغیر چار پانچ مجالس میں میں نے آپ کے سامنے عرض کیے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

انسانی حقوق کا پہلا عالمی منشور

آج دنیا میں انسان کی معاشرتی ذمہ داریوں اور حقوق کے حوالہ سے اقوام متحدہ کا ہیومن رائٹس چارٹر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وہ سیاسی طور پر ایک بڑے سمبل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور بعض حوالوں سے وہ سمبل ہے بھی، جبکہ بہت سے حوالوں سے یہ اسلامی تعلیمات سے ٹکراتا بھی ہے۔ لیکن اگر ہم اس ارتقا کو دیکھیں جو تیرہ چودہ سو سال میں ہوا ہے، یعنی تیرہ سو سال بعد دنیا جن اصولوں پر آئی ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی رہنمائی کے یہ اصول تیرہ چودہ سو سال پہلے ہمیں بڑی وضاحت کے ساتھ عطا فرمائے تھے۔ اور یہ انسانی برادری کے حوالے سے تھے کسی علاقائی یا نسلی حوالے سے نہیں تھے۔ آج لوگ گلوبلائزیشن اور انٹرنیشنلزم کا نعرہ لگاتے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ نسل، رنگ، وطن اور قومیت سے بالاتر ہو کر سب سے پہلے جس شخصیت نے دنیا کو خطاب کیا ہے۔ اس کا نام محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ حضورؐ نے جب سب سے پہلی دعوت دی تو یہ کہہ کر مخاطب ہوئے: یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللّٰہ تفلحوا (مسند احمد، رقم ۱۵۴۴۸) اے لوگو! کہو اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپ کے مخاطب عرب اور مکی تھے۔ یہ بالکل ابتدائی دعوت تھی۔ ابھی دو چار لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت بھی حضورؐ نے نہ عرب کا نام استعمال کیا، نہ قریش کا، نہ علاقے کا، بلکہ کہا: ایھا الناس۔ اس لیے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ دنیا میں سب سے پہلے گلوبلائزیشن کی بات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ آپؐ نے قوم، رنگ، نسل اور جغرافیے سے بالاتر ہو کر نسل انسانی کو مخاطب کیا۔ اور

صرف مخاطب ہی نہیں کیا بلکہ اس کے اصول بتائے ہیں' اس کے ضوابط بتائے ہیں' اخلاقیات بتائی ہیں اور پھر عملی طور پر ایک سوسائٹی بنا کر دکھائی ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ مبارکہ بین الاقوامیت کا پہلا اور سب سے جامع منشور تھا۔ آج بھی ہمارے لیے اور دنیائے انسانیت کے لیے یہی منشور رہنما منشور ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ہم اس کو پیش کرنے کے قابل ہو جائیں۔ بڑی سخت بات کہہ رہا ہوں۔ ایک یہ ہے کہ شائع کر کے دنیا تک پہنچا دینا' ایک یہ ہے کہ ہم عملی طور پر اس کا نمونہ پیش کر سکیں' حوالہ پیش کر سکیں۔ لوگ ہمیں دیکھ کر سمجھیں کہ یہ لوگ اس منشور پر عمل کرنے والے لوگ ہیں تو پھر آج بھی یہ منشور دنیا کے لیے ہدایت اور امن کا پیغام ہے۔ لیکن یہ موقوف اس پر ہے کہ کس دن ہم اپنے قول' عمل اور کردار کے حوالے سے دنیا کو دعوت دینے کی پوزیشن میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری کمزوریوں اور کوتاہیوں کو معاف فرماتے ہوئے ہمیں قرآن کریم اور سنت رسولؐ پر صحیح طور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔